مسلسل اشاعت کے چالیس سال

بیاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ الحق

478

جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ

جون 2005ء

مدیر مسئول مولانا سمیع الحق

جامعہ دار العلوم حقانیہ کی طرف سے ایک عظیم علمی و تحقیقی تحفہ

جامعہ حقانیہ کے جید علمأ کرام مفتیان عظام کی نصف صدی کی کاوشوں کا شاہکار

فتاوٰی حقانیہ

تین ہزار چھ سو صفحات **چھ جلدوں میں**

فتاویٰ اور فقہ کی دنیا میں ایک مبارک اور دلاویز اضافہ یعنی جامعہ دار العلوم حقانیہ کے فتاویٰ جو کہ ہزاروں مسائل، فقہی جزئیات، علمی تحقیقات اور دیگر بے شمار خصائص ونوادرات پر مشتمل ہے گزشتہ سال محرم الحرام میں منظر عام پر آیا، اللہ تعالیٰ نے اسکو اتنی شرف قبولیت نواز کہ پہلا اور دوسرا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ ۷۔۸ ماہ میں کی قلیل مدت میں ختم ہو چکا ہے اب

الحمد للہ

سہ بارہ بیروت سٹائل میں شائع ہو چکا ہے

اسلئے تمام حضرات کو اطلاع ہے کہ پہلے آیئے پہلے پایئے کے اصول پر عمل کر کے جامعہ دار العلوم حقانیہ یا قریب کتب خانہ سے طلب کریں، کہیں یہ ایڈیشن بھی ہاتھ سے جانے نہ پائے

اعلیٰ ترین کاغذ وطباعت و دلآویز جلد بندی

مدارس عربیہ طلبأ، علمأ کیلئے خصوصی رعایت

جلد اول فقہ اور فتاویٰ کے مآخذ، عقائد ایمانیات فرق اسلامیہ، فرق باطلہ سائنس اور اسلام تجدد والحاد وغیرہ

جلد دوم اجتہاد، بدعت، علم، تفسیر وحدیث، سلوک، سیاست، کراھیۃ واباحۃ، حقوق النساء اور طہارت

جلد سوم صلوۃ، عشر وزکوۃ، جدید معاشی مسائل **جلد چہارم** زکوۃ، صوم، حج، نکاح اور طلاق

جلد پنجم نفقات ایمان ونذر، وقف، حدود، تعزیرات، اشربۃ، قصاص ودیۃ، جہاد، قضا، وشہادۃ۔ قسمہ واکراہ

جلد ششم بیوع، ربا، رھن، اجارہ، شرکۃ، مضاربۃ، وکالۃ، حوالہ، ھبۃ، غصب، احیاء الموات، مزارعۃ ذبائح، اضحیۃ، وصیت اور فرائض

خصوصیات

موت ومابعد الموت اور حیات دنیوی سے متعلق تمام مسائل میں شریعت کی رہنمائی

اس فتاویٰ میں سوالات کے جوابات پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ہر جواب کیساتھ کتب احادیث، تفاسیر اور معتمد فقہی ذخائر سے حوالہ جات بھی درج ہیں۔ قدیم وجدید مسائل اور ان کے جوابات، عصر حاضر کے ایسے جدید مسائل جو کہ معرکۃ الاراء ہیں اور ساتھ ساتھ نئی سائنسی تحقیقات، ٹیکنالوجی اور انٹرنیٹ وکمپیوٹر وغیرہ سے جو نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں اسکے متعلق بھی انتہائی معلومات افزاء مواد اس میں شامل ہے۔ دار العلوم سے یا قریبی مارکیٹ سے فوری طلب فرمائیں۔

ناشر: جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد نمبر ----- 40
شمارہ نمبر ----- 9
جمادی الاولیٰ ــ ۱۴۲۶ھ
جون ــ ۲۰۰۵ء

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

نگران
حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ

مدیر
حافظ راشد الحق سمیع حقانی

ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز: وفاق المدارس کے زیر اہتمام اسلام آباد میں دینی مدارس کے کردار و اہمیت کے متعلق ایک عظیم الشان تاریخی اجتماع۔ دار العلوم حقانیہ کے سابق استاد حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کی جدائی .... راشد الحق سمیع ۲

اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال۔ (درس ترمذی) ...... حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ۵

کمالات ومحاسن خیر الامم .... حضرت مولانا محمد انوار الحق صاحب ۱۲

سر اقبال بنام "حسین احمدؒ" .... حضرت مولانا عتیق الرحمان سنبھلی ۱۶

اسلام ایک نظریہ ہے اور مغرب صرف ایک طاقت ...... (انٹرویو) ...... حضرت مولانا عیسیٰ منصوری ۲۶

رسول اکرمؐ کے خلاف جھوٹ کا پلندہ اور بہتانوں کا سنگین جرم .... جناب عبد المجیب ۳۰

علاقہ چھچھ کے ایک ولی کامل (اخوند جان محمدؒ) .... مولانا قاری سعید الرحمٰن ۳۴

عصر حاضر میں جہاد سے متعلق مسائل ...... (بحث ونظر) .... جناب محمد مشتاق احمد ۴۲

بچوں کی تعلیم وتربیت اور انکی رہنمائی کا طریقہ کار .... محترمہ ناہید علی زئی ۵۳

دار العلوم کے شب وروز .... جناب شفیق الدین فاروقی ۶۱

تبصرہ کتب .... مدیر کے قلم سے ۶۲

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار حضرات کے خیالات وآراء سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ماہنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر (0923)630340-630435
ای میل: Email: haqqania@nsr.pol.com.pk OR editor_alhaq@yahoo.com
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/20 روپے سالانہ -/200 بیرون ملک 20$ امریکی ڈالر
پبلشر: مولانا سمیع الحق مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور
کمپوزنگ: بابر حنیف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقش آغاز

راشد الحق سمیع حقانی

وفاق المدارس کے زیر اہتمام اسلام آباد میں دینی مدارس کے کردار و اہمیت کے متعلق ایک عظیم الشان تاریخی اجتماع

گزشتہ ماہ ۱۵رمئی ۲۰۰۵ء کو اسلام آباد میں جناح کنونشن سنٹر میں وفاق المدارس العربیہ کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان اور عالمگیر نوعیت کے تاریخی اجتماع کا انعقاد کیا گیا۔ موجودہ حالات میں یہ کنونشن کئی حوالوں سے اہمیت کا حامل تھا اور کافی عرصہ سے اس کے انعقاد کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ دینی مدارس کے خلاف جو پروپیگنڈہ مغرب اور پاکستان میں ان دنوں پوری قوت کے ساتھ مخالفین نے شروع کر رکھا ہے' اس کا منہ توڑ جواب دیا جائے۔ اور مخالف قوتوں کی کوششوں کے آگے سدِ سکندری باندھی جائے اور اسی طرح پاکستانی قوم کے باشعور عوام اور دانشورانِ ملک و ملت کو بھی مدارس کی اہمیت اور اس کی تاریخی پس منظر سے آگاہ کیا جائے کہ دینی مدارس صرف تعلیم و تربیت کے مراکز نہیں بلکہ یہ اسلام کے نظریاتی اور اساسی قلعے بھی ہیں۔ انہی دینی مدارس کے دَم ہی سے اسلامی ممالک خصوصاً برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی روایتی آب و تاب جاری و ساری ہے۔ اسپین اور وسط ایشیاء میں اسلام کے دشمنوں نے سب سے پہلے دینی مدارس کو اپنا نشانہ بنایا اور ان کو بند کیا۔ کیونکہ ان قوتوں کو اس حقیقت کا ادراک تھا کہ دینی مدارس اسلام کے ''پاور ہاؤس'' ہیں جب تک یہ قائم و دائم رہیں گے اسلام کی روشنی اور ایمان کی حرارت سے اہل اسپین اور اہل سمرقند و بخارا کے دل گرم اور منور ہوتے رہیں گے۔ اسی لئے بعد میں ہندوستان میں بھی انگریز استعمار نے یہی نسخہ آزمانے کی کوششیں کیں اور دینی مدارس پر شبِ خون مارنے کیلئے کئی حربے آزمائے۔ لیکن الحمدللہ اُس وقت کے اکابرین امت نے ان روشنی کے میناروں کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ ملک و ملت کو ایسے افراد اور ایسی شخصیات مہیا کیں کہ جنہوں نے آگے چل کے ملک و ملت کی کایا ہی بدل دی۔ اور خصوصاً ہندوستان و پاکستان میں اسلام کی آج وہی شکل و صورت موجود ہے جو چودہ سو برس پہلے تھی۔ یہ انہی مدارس کے طفیل ہے اور اس کے مقابلے میں دیگر اسلامی ممالک اور بالخصوص عرب ممالک جہاں دینی مدارس محدود کر دیئے گئے یا حکومتی تحویل میں لے لئے گئے تو وہاں کے مسلمانوں کی حالتِ زار اور اخلاقی اقدار آج ہم سب کے سامنے ہے۔ ع دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

اب نئی عالمی قوت اور ہمارے ''روشن خیال'' حکمران ان مدارس کے دَر پے ہو گئے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ان مدارس کی اہمیت اور کردار کو پاکستانی معاشرے میں بھی کم کیا جائے۔ لیکن الحمدللہ گزشتہ پانچ برسوں میں ان کی تمام

کوششیں اور سازشیں تارِ عنکبوت کی مانند ثابت ہوئی ہیں۔ اس نمائندہ اجتماع میں تمام مکتبہ فکر کے لوگوں نے بھی بھرپور شرکت کی یہ بھی وفاق المدارس پر دیگر مکاتب فکر کے اعتماد کا مظہر ہے۔ اسی طرح مسلم لیگ (ق) کے چودھری شجاعت حسین اور دیگر اعلیٰ حکومتی عہدیداران نے اسمیں نمائندگی کی اور دینی مدارس کے متعلق حکومتی صفائیاں پیش کیں۔ اس کے علاوہ پاکستان کے چیدہ چیدہ ممتاز علماء کرام اور مشائخ عظام اور سیاسی شخصیات نے اس میں بھرپور شرکت کی اور بڑے فکر انگیز، علمی اور تحقیقی مقالہ جات بھی دینی مدارس کی اہمیت کے متعلق پیش کئے گئے۔ یہ اجلاس ہر لحاظ سے کامیاب رہا اور اسکے اچھے اثرات محسوس کئے گئے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی مدارس کے متعلق گاہے گاہے مختلف صوبوں اور شہروں میں دینی مدارس کے متعلق ایسے کنونشنز منعقد کئے جائیں اور اسمیں طبقہ خواص کے علاوہ عام لوگوں کو بھی دعوت عام دی جائے تاکہ دینی مدارس کے متعلق غلط پروپگنڈہ کا عوامی سطح پر ازالہ کیا جاسکے اور عوامی شعور کو مزید بیدار کیا جائے

کنونشن کی تیاریوں کے سلسلے میں وفاق المدارس العربیہ کے تمام عہدیدار اور بالخصوص اسلام آباد اور راولپنڈی کے علماء و مہتممین نے اس سلسلہ میں مثالی خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان کی کوششیں بھی قابل تحسین اور لائق مبارکباد ہیں۔ یہاں یہ بات ضرور لکھنے کے قابل ہے کہ اس تاریخی کنونشن کو میڈیا نے اس لئے زیادہ اہمیت نہیں دی کہ تمام پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے آلات پر منتظمین نے کنونشن سنٹر کے اندر پابندی لگادی تھی۔ اگر یہ پابندی نہ ہوتی تو پاکستان اور دنیا کے کروڑوں مسلمان اس تاریخی کنونشن کو براہ راست سنتے اور دیکھتے اور اسکے اثرات پوری دنیا پر اور زیادہ بہتر مرتب ہوتے۔ مخالفین کا منہ توڑ جواب دینے کیلئے اور انکے مقابلہ کرنے کیلئے وفاق المدارس العربیہ کے ارباب اختیار کو اس مسئلے پر سنجیدگی سے سوچنا چاہیے کہ میڈیا اور اسکے آلات ہی اس دور کے اسلحہ و بارود ہیں اور ان سے بھی ناگزیر ضرورت کے وقت کام لینا چاہیے کہ حالتِ اضطرار میں فقہاء نے بہت سی چیزوں میں رخصت کی اجازت دی ہے اور میری ناقص رائے میں دینی مدارس اور اسلام پر اس سے زیادہ اضطراری حالت اس سے پہلے کبھی نہ آئی تھی جیسی کہ اب ہے۔ بہرحال دینی مدارس کا یہ کنونشن ایک کامیاب کوشش تھی اور انشاء اللہ اسکے اثرات مستقبل قریب میں ہم سب کے سامنے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسلام کے یہ قلعے صفحہ دہر پر ہمیشہ قائم و دائم اور چمکتے دمکتے رہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کی بقاء انہی مدارس کے دَم خَم سے ہے۔

؎ یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے لوح جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہوں میں

حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ کے جواں سال صاحبزادے اور دارالعلوم حقانیہ کے سابق استاد حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کی جدائی

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل اس حدیث مبارکہ کا مشاہدہ اکثر و بیشتر نظروں سے گزرتا رہتا ہے۔ اسی کی تازہ مثال دارالعلوم حقانیہ کے سابق شیخ الحدیث و رئیس دارالافتاء، پیر طریقت حضرت مولانا مفتی محمد

فرید صاحب مدظلہ کی ذات گرامی ہے۔ جو عرصہ دراز سے شدید علیل ہیں اور پے در پے اپنے عزیزوں کی جدائیوں کا غم سہہ رہے ہیں۔ آپ کو گزشتہ دنوں ایک اور جانکاہ حادثے کا بڑھاپے میں سامنا کرنا پڑا۔ یہ حضرت مولانا رشید احمدؒ کے عالم شباب میں اس دنیا سے اچانک کوچ کر جانا ہے۔ اگرچہ مولانا مرحوم گزشتہ آٹھ دس سالوں سے کمر اور اعصاب کی شدید بیماری میں مبتلا تھے اور اسی وجہ سے دارالعلوم میں آپ کا سلسلہ تدریس بھی رہ گیا تھا۔ لیکن پھر بھی آپ نوشہرہ میں مسجد کی خطابت وغیرہ کی ذمہ داریاں کسی نہ کسی صورت میں جاری رکھے ہوئے تھے لیکن اچانک ہی صبح کے وقت آپ کی طبیعت بگڑی اور کچھ ہی دیر میں آپ نے جانِ عزیز جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم زبردست صلاحیتوں اور خوبیوں کے حامل انسان تھے آپ بہت ہی خاموش طبع، کم گو اور نہایت شریف مزاج تھے۔ آپ سیرت وصورت میں حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا خوبصورت عکس جمیل تھے۔ مولانا رشید احمد صاحبؒ دارالعلوم حقانیہ سے فارغ التحصیل تھے اور بعد میں دارالعلوم ہی میں آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ مولانا کامل یکسوئی اور بھرپور توجہ کے ساتھ تدریس میں منہمک رہتے۔ اور روایتی صاحبزادگی سے آپ کوسوں دور تھے، اور دیگر دنیاوی امور سے بھی آپ تقریباً کنارہ کش رہتے۔ مولانا مرحوم دارالافتاء میں بھی وقت دیا کرتے تھے اور کئی اہم موضوعات پر آپ نے بڑے محققانہ فتاویٰ بھی دیئے۔ مولانا شرافت وکردار کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ آپ میرے استاد بھی تھے اور دعا گو بھی۔ ماہنامہ ''الحق'' کے مستقل قاری تھے اور جب بھی ملتے الحق اور اس ناکارہ کے مضامین کے بارے میں نیک خواہشات کا اظہار فرماتے رہتے۔ آپ کی ذات میں شفقت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مولانا مرحوم کو دارالعلوم اور تدریس سے بچھڑنے کا بڑا دکھ تھا لیکن چونکہ آپ نوشہرہ میں قیام پذیر تھے اور بیماری کے باعث آپ کا اٹھنا بھی ناممکن ہو گیا تھا۔ اسی لئے آپ نے بادل نخواستہ آخری عمر دارالعلوم سے باہر گزاری۔ دارالعلوم میں آپ کے انتقال کی خبر نے فضا نہایت سوگوار کر دی۔ تمام اساتذہ اور طلباء نے آپ کے گاؤں زروبی جا کر نماز جنازہ میں شرکت کی۔ جنازہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے خود پڑھایا۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے اس موقع پر خصوصی خطاب فرمایا۔ مولانا صاحب کے جنازے میں علماء اور مشائخ اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے ہزاروں مریدوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ ہر آنکھ حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی جواں سالہ المناک موت پر نمناک تھی۔ مولانا مرحوم کو شام کے وقت دفنایا گیا۔ اور یوں علم وزہد کا ایک اور آفتاب خاکِ تیرہ کے حوالے کر دیا گیا۔ ہم حضرت مفتی صاحب مدظلہ اور آپ کے صاحبزادے مولانا حسین احمد حقانی اور مولانا رشید احمد صاحب کے صاحبزادوں اور دیگر پسماندگان سے دلی تعزیت کرتے ہیں۔ ادارہ حضرت مولانا مفتی صاحب مدظلہ کے غم میں نہ صرف برابر کا شریک ہے بلکہ خود ادارہ تعزیت کا مستحق ہے۔ دارالعلوم میں مولانا مرحوم کیلئے فاتحہ خوانی کی گئی۔ قارئین الحق سے بھی مرحوم کیلئے دعاؤں کی اپیل ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

درس ترمذی شریف

افادات: حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ

ضبط و ترتیب : مولانا مفتی عبدالمنعم حقانی

معاون مفتی دارالافتاء جامعہ حقانیہ

اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال
جامع امام ترمذی کے ابواب البر والصلۃ کے درسی افادات

باب ما جاء فی أدب الخادم
خادم کو ادب دینے کا بیان

حدثنا احمد بن محمد ثنا عبدالله عن سفيان عن أبي هارون العبدي عن ابي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: إذا ضرب أحدكم خادمه فذكر الله فارفعوا أيديكم "وأبوهارون العبدي اسمه عمارة بن جوين. وقال يحيى بن سعيد: ضعف شعبة أبا هارون العبدي قال يحيى وما زال ابن عون يروى عن ابي هارون حتى مات.

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے خادم کو مارتا ہو پھر وہ خادم اللہ تعالیٰ کا نام لے لے تو تم اپنے ہاتھوں کو (اس کے مارنے سے کھینچ کر) اٹھالو۔

اور ابوھارون عبدی جو ہے ان کا نام عمارہ بن جوین ہے اور یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ شعبہ نے ابوہارون کو ضعیف قرار دے دیا ہے۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ ابن عون مرتے دم تک ابوہارون سے روایت کیا کرتے تھے۔

اپنے ماتحتوں کی نگرانی کرنا اور ان کو ادب دینا اسلامی فریضہ ہے:

پہلے باب میں خادم، غلام اور نوکر کو گالی دینا اور ان کے زدوکوب کرنے کی ممانعت ذکر ہوئی۔ اس باب میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ تربیت اور تادیب کے طور پر مارنا بھی جائز ہے۔ غلام، خادم، شاگرد اور مرید یا بیوی، بچوں کو ادب دینا بھی لازمی امر ہے۔ اور اسی تادیب کے لئے کبھی کبھی تھوڑا بہت مارنا بھی ضروری ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اپنے عیال سے ادب کی لاٹھی نہ اٹھانا۔ لہٰذا آقا، استاذ، پیر، باپ، اور شوہر کو یہ حق حاصل ہے۔ دین اسلام چونکہ دین عتدال ہے، ہر چیز میں میانہ روی، عدل و انصاف کی تعلیم دیتا ہے۔ اس وجہ سے پہلے باب میں بڑے طبقے آقا وغیرہ کو

اپنے مملوکوں اور خادموں کے بارے میں خوف الہیٰ دلا کر ان کے ساتھ نرمی کرنے کی ترغیب دی گئی۔ اور اس باب کا حاصل یہ ہے کہ تأدیب کے لئے مارنا بھی جائز ہے لیکن جب وہ خادم وغیرہ اپنے کو بچانے کی خاطر اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرلے تو پھر ان کے مارنے سے ہاتھ اٹھالو۔ نیز مارنے میں بھی اپنے جذبات پر چلنا شرعاً ناپسندیدہ عمل ہے، چنانچہ سر اور چہرے پر مارنا جائز نہیں ہے۔ نیز اس طرح مارنا بھی جائز نہیں جس سے جسم کو زخم لگ جائے۔

سندی بحث:۔

احمد بن محمد یہ احمد بن محمد بن موسیٰ المروزی ہے۔ ثنا عبد اللہ یہ عبداللہ بن مبارک ہیں جو کہ حدیث کے مشہور امام ہیں۔ عن سفیان یہ حضرت سفیان ثوری ہیں، یہ بھی مشہور ہیں۔

عن أبی موسی هارون العبدی ۔ ان کا نام عُمارہ بن جوین ہے۔ جوین صیغہ تصغیر کے ساتھ ہے یہ راوی اپنے اسم کنیہ ''ابو ہارون'' کے ساتھ مشہور ہے۔ بعض نے ان کو متروک کہا ہے۔ اور بعض نے ان کی تکذیب کر کے انہیں شیعی قرار دے دیا ہے۔ چنانچہ دار قطنی نے کہا ہے کہ لوگ اس کو خارجی اور شیعی قرار دیتے ہیں۔ پس اس کی وہ روایت معتبر ہوگی جو حضرت سفیان ثوریؒ اس سے روایت کرتے ہیں۔

امام احمد نے فرمایا ہے "لیس بشئی" اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت شعبہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے:

اللہ تعالیٰ کے نام کا ادب کرنا لازمی ہے:

یعنی جب تم اپنے کسی خادم کو مار رہے ہو اور اس نے اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا کرے تو تم اس کے مارنے سے رک جاؤ۔ مثلاً وہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے کہ اے اللہ تو میری مدد کر۔ تو مجھے بچا۔ یا اللہ تعالیٰ کا واسطہ تمہیں پیش کر کے جان چھڑانا چاہے۔ مثلاً کہے اللہ تعالیٰ کے واسطے مجھے نہ مار۔ اللہ کے واسطے مجھے چھوڑ دے۔ تو اللہ کے نام کی تعظیم کی وجہ سے اب اس کو چھوڑنا اور اس کے مارنے سے رک جانا لازمی ہے۔

باب ماجاء فی العفو عن الخادم

خادم کو معاف کرنے کا بیان

حدثنا قتيبة ثنا رشدين بن سعيد عن أبي هانئ الخولاني عن عباس بن جليد الحجري عن عبد الله بن عمر قال: جاء رجل الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال:

یارسول الله کم أعفوا عن الخادم؟ فصمت عنه النبی ﷺ ثم قال یارسول الله کم أعفوا عن الخادم؟ قال : کل یوم سبعین مرة..... هذا حدیث حسن غریب' ورواه عبدالله بن وهب عن ابی هانی الخولانی بهذا لاسناد نحوهذا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا تو کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنے خادم کو کتنی معافی دوں؟ تو رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔اس شخص نے پھر کہا' اے اللہ کے رسول ﷺ میں خادم کو کتنی مرتبہ معاف کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر ایک دن میں ستر مرتبہ۔

یہ حدیث حسن غریب ہے۔اور اس حدیث کو عبداللہ بن وہب نے ابوہانیٔ الخولانی سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حدثنا قتیبه ثنا عبدالله بن وهب عن أبی هانئ الخولانی بهذالاسناد نحوه وروی بعضهم هذا لحدیث عن عبدالله بن وهب بهذا الاسناد وقال عن عبدالله بن عمرو۔

حاصل ترجمہ: یعنی گزشتہ روایت حضرت قتیبہ نے رشدین بن سعد عن ابی ھانیٔ الخولانی الخ کی سند سے نقل فرمایا 'اور اس روایت میں یہی حدیث حضرت قتیبہ نے عبدالله بن وهب عن أبی هانئ الخ کی سند سے نقل کی ہے۔

<u>وروی بعضهم الخ:</u>

یعنی بعض نے اس حدیث کو اسی سند کے ساتھ عبداللہ بن وہب سے روایت کی ہے لیکن اس میں عبداللہ بن عمر کی جگہ عبداللہ بن عمرو (واؤ کے ساتھ) ذکر ہے۔

<u>نامناسب سوال کا جواب دینا ضروری نہیں ہے:</u>

فصمت عنه النبی ﷺ: یعنی اس شخص نے جب رسول اللہ ﷺ سے یہ پوچھا کہ کتنی حد تک معافی کروں خادم کو' تو رسول اللہ ﷺ ان کو جواب دینے سے خاموش رہے۔اس خاموشی کی وجہ یا تو یہ تھی کہ جناب رسول اللہ ﷺ جواب دینے کے لئے وحی کا انتظار کررہے تھے۔اور یا اس خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ یہ سوال جناب رسول اللہ ﷺ کو پسند نہ آیا۔کیونکہ یہ تو مندوب اور مستحب امور میں سے ہے جتنا زیادہ ہوا تنا ہی اجر وثواب زیادہ ہوگا۔اس کے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ مثلاً کوئی یہ پوچھے کہ کتنا صدقہ کروں؟ کتنے نوافل پڑھوں وغیرہ۔کیونکہ یہ معلوم ہے کہ نفل پڑھنا ثواب ہے اور نفلی صدقہ ثواب ہے' کوئی جتنا زیادہ کرسکتا ہے تو کرے اس میں پوچھنے کی ضرورت نہیں۔لیکن جب انہوں

نے مکرر سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

کل یوم سبعین مرۃ: یعنی روزانہ ستر مرتبہ خادم کو معاف کیا کرو۔ ظاہر ہے کہ دن میں ستر مرتبہ اگر کوئی اپنے خادم کو معاف کرے تو اس خادم کو کبھی جھڑکنے اور مارنے کی نوبت نہ آئے گی۔ رسول اللہ ﷺ نبی الرحمۃ ہیں۔ نوکر، ملازم، خادم اور ماتحت طبقہ کے ساتھ کتنے اچھے برتاؤ کی تعلیم دیتے ہیں۔

علماء اور طلباء کو چاہیے کہ یہ حقوق لوگوں سے بیان کریں کہ عوام اور مزدور طبقہ آگاہ ہو جائے کہ دین اسلام میں ان کے حقوق کا کتنا تحفظ کیا گیا ہے۔

باب ما جاء فی أدب الولد

اولاد کو ادب دینے کا بیان

حدثنا قتیبہ ثنا یحیی بن یعلی عن ناصح عن سماک عن جابر بن سمرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ: لأن یؤدب الرجل ولدہ خیر من أن یتصدق بصاع ...... ھذا حدیث غریب ...... وناصح بن علاء الکوفی لیس عن أھل الحدیث بالقوی ولا یعرف ھذا الحدیث الامن ھذا لوجہ۔ و ناصح شیخ آخر بصری یروی عن عمار بن ابی عمار وغیرہ وھوا ثبت من ھذا۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: البتہ کسی آدمی کا اپنی اولاد کو ادب دینا، ایک صاع (طعام) کے صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

اور ناصح بن علاء الکوفی اھل حدیث کے نزدیک قوی نہیں ہے اور یہ حدیث اس طریق کے علاوہ کسی دوسرے طریق سے معلوم نہیں ہے۔ اور ایک ناصح ایک دوسرے بصری شیخ بھی ہیں جو کہ عمار بن ابی عمار وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ اس سے زیادہ ثبت ہے۔

نسبی اور روحانی اولاد کی اچھی تربیت کرنا لازمی ہے:

اولاد کے ساتھ سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اچھے طریقے سے ان کی تربیت کی جائے۔ ان کو اسی طرح بے لگام چھوڑ دینا کہ خراب معاشرے سے بری اخلاق و عادات پکڑتے رہیں۔ یہ ان کی حق تلفی ہے اور ان کو ہلاکت کے

گڑھے میں پھینک دینے کے مترادف ہے۔ بعض لوگ جہاد بھی کرتے ہیں تبلیغ وتعلیم دین میں بھی مصروف رہتے ہیں۔ لیکن اپنے اہل وعیال کی تربیت کا خیال نہیں رکھتے۔ایسے بچے عموماً بڑے ہوکر ماں باپ کے لئے وبال جان بن جاتے ہیں۔ ماں باپ کا فرض ہے کہ اولاد کی تربیت اسلامی طریقے سے کریں۔

اساتذہ کی ذمہ داری اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی عادت مبارکہ

اور جس طرح نسبی اولاد کی تربیت فرض ہے اس طرح روحانی اولاد کی تربیت بھی لازم ہے۔ استاد کا فرض ہے کہ شاگردوں پر کڑی نگرانی رکھیں۔ اور انہیں پاکیزہ اور عمدہ اخلاق وعادات کی تلقین کرتے رہیں۔ صرف کتاب پڑھا کر چلے جانے سے انکا فرض ادا نہیں ہوتا۔ تعلیم کتاب کی بنسبت تربیت زیادہ اہم ہے۔ لیکن آج کل اساتذہ کرام نے یہ کام چھوڑ دیا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ طلبہ کو ادب دینے اور ان کی تربیت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ بسا اوقات نماز عصر پڑھانے کے بعد وعظ ونصیحت کیا کرتے تھے۔

آخری دور میں جب بیمار ہوئے تو بیماری کی حالت میں بھی نماز عصر کے بعد گھنٹہ گھنٹہ سخت تکلیف کے باوجود طلبہ کو وعظ ونصیحت اور اچھے اخلاق وعادات کی تلقین کیا کرتے تھے۔ طلبہ میں کسی قسم کی غیر اخلاقی اور نامناسب طرز عمل دیکھتے تو فوراً تنبیہ فرماتے تھے بعض حضرات ایسے بھی دیکھے گئے کہ پیشاب کرنے کے بعد شلوار میں ہاتھ دبائے ہوئے راستہ عام پر چلتے ہیں۔ اور ٹیلے کے ساتھ استنجاء کررہے ہیں۔ جیسا کہ عام رواج تھا حضرت مولانا صاحب فوراً تنبیہ فرماتے کہ یہ کتنا برا لگتا ہے کہ راستے پر چلتے ہوئے شلوار میں ہاتھ ڈالے ہوئے راستہ پر چھوٹے بڑے، مرد، عورت ہر قسم کے لوگ گزرتے ہیں۔ یہ نہایت ہی غیر اخلاقی بات ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اسوقت کے شاگرد بھی اچھے تھے۔ ان پر دین کا رنگ چڑھا ہوا ہوتا تھا۔ آج کل اساتذہ کرام نے یہ کام چھوڑ دیا ہے تو شاگردوں میں بھی وہ باتیں نہیں دکھائی دیتیں۔

دینی مدارس میں طلبہ کی اصلاح اور تربیت پر توجہ دینی چاہیے:

اس تمام تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ دارالعلوم اور تمام دینی مدارس کے اساتذہ کو چاہیے کہ طلبہ کرام کے ذہنی اصلاح اور ان کے اخلاق کی درستگی کو اپنا دینی فریضہ سمجھیں۔ ان طلبہ کے والدین نے ان کو ہمارے سپرد کرکے اپنے آپ کو بری الذمہ کردیا کہ ہم نے تو اپنا بیٹا دارالعلوم میں داخل کرکے اس کے دین کے تحفظ کا پورا سامان کیا۔ اور دارالعلوم کا استاذ کہتا ہے کہ میں تو اس "الکلمة لفظ" کی ترکیبیں اور تقریریں سکھاتا ہوں اور شکل اول، شکل ثانی، اور شکل ثالث سکھاتا ہوں، باقی ان کو تربیت دینا اور ادب سکھانا یہ تو دارالعلوم والوں کا کام ہے۔ تو ارے: اللہ کے بندے! دارالعلوم کوئی ایسا کارخانہ تو نہیں ہے کہ طالب علم کو ایک طرف سے اس میں ڈالدیا تو دوسری طرف سے مہذب مولوی بن کر نکل جائے گا۔ دارالعلوم تو انہی شیوخ واساتذہ کے ایک منظم تربیتی پروگرام سے عبارت ہے۔ انہی اساتذہ وشیوخ

کی تعلیم وتربیت سے طالب العلم علم، تہذیب، اخلاق، معاشرتی آداب سیکھ لیتا ہے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ طلبہ کو تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ ان کی تہذیب، تادیب وتربیت کا بھی پورا خیال رکھیں۔

لأن یؤدب الرجل ولدہ خیر من أن یتصدق بصاع:

محدثین حضرات لکھتے ہیں کہ "لأن یؤدب" میں لام موطیۂ للقسم ہے، تو معنی یہ ہوا کہ: اللہ تعالیٰ کی قسم، کہ اپنی اولاد کو تأدیب دینا اس سے بہتر ہے کہ کوئی ایک صاع طعام صدقہ کردے۔

اولاد کی تادیب کا صدقہ سے بہتر ہونے کی وجوہ:

بچے کی اچھی تعلیم وتربیت دینا ایک صاع کے صدقہ سے اس لئے بہتر ہے کہ کہ اچھی تربیت اور تعلیم ایک صدقہ جاریہ ہے۔ اس نیک تربیت کی وجہ سے وہ بچے جتنے نیک کام کریں گے والدین کے لئے بھی اس اندازے کے مطابق نیکیاں ملیں گی اور بہتر تعلیم وتربیت کا فائدہ آئندہ نسلوں کو بھی پہنچتا رہے گا۔

نیز اچھی تأدیب وتربیت علمی اور روحانی افادہ ہے۔ جو تم نے اپنی اولاد کو پہنچا دیا ہے۔ اور ایک صاع کا صدقہ، عملی اور مالی افادہ اور علمی وروحانی افادہ مالی افادہ سے بہتر ہے۔ نیز تعلیم وتربیت کا اثر دیرپا ہے۔ اور طویل مدت تک باقی رہنے والا ہے بخلاف صدقہ کہ اس کا اثر جلد ہی ختم ہو جاتا ہے۔

سندی بحث:

ھذا حدیث غریب و ناصح بن عبدالعلاء الکوفی لیس عند أھل الحدیث بثقہ الخ ۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ اور پھر کہتے ہیں کہ ناصح بن عبدالعلاء کوفی، محدثین حضرات کے نزدیک قوی نہیں ہے۔ لیکن یہاں امام ترمذی کو وہم ہوا ہے۔ کیونکہ یہاں جس راوی ''ناصح'' کا ذکر ہے، یہ ناصح بن عبدالعلاء الکوفی نہیں ہے، بلکہ یہ ناصح بن عبداللہ الکوفی ہے۔ یعنی اس کے والد کا نام عبدالعلاء نہیں ہے۔ بلکہ عبداللہ ہے۔ امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ ناصح بن عبداللہ الکوفی المحملی الحائک، جو کہ سماک بن حرب اور یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کرتا ہے، اس کو امام نسائی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

اور امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ فلاس کہتے ہیں کہ یہ متروک ہے، ابن معین کہتے ہیں کہ "لیس بشئی" پھر امام ذہبی نے حدیث باب کو ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی سند اس طرح ہے۔ یحیی بن یعلی الأسلمی عن ناصح بن عبداللہ عن سماک عن جابر بن سمرۃ مرفوعاً: لأن یودب الخ (یعنی ناصح بن عبداللہ ذکر کیا ہے۔) اسی طرح علامہ مزی نے بھی اس کو امام ترمذی کا وہم قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ابن عبدالعلاء جو ہے وہ بصری ہیں کوفی نہیں۔ حاکم نے کہا ہے کہ ناصح بن

عبد العلاء بصری ہیں اور یہ ثقہ راوی ہیں۔ اور جس پر طعن کیا گیا ہے۔ وہ ناصح بن عبد اللہ ہے جو کہ سماک بن حرب سے منکر روایات نقل کرتا ہے۔

حاصل اس بحث کا یہ ہے کہ امام ترمذی نے سماک بن حرب سے روایت کرنے والے راوی کو ناصح بن عبد العلاء کوفی قرار دیا ہے اور پھر ان کی تضعیف کی ہے حالانکہ نہ تو ناصح بن عبد العلاء کوفی ہے اور نہ یہ راوی ضعیف ہے۔ بلکہ ناصح بن عبد العلاء بصری ہے اور ثقہ راوی ہے۔ لیکن اس راوی نے یہ حدیث سماک بن حرب سے نقل نہیں کیا ہے جیسا کہ امام ترمذی کہتے ہیں۔ بلکہ اس حدیث کو ناصح بن عبد اللہ نے سماک سے نقل کیا ہے اور یہ ناصح بن عبد اللہ یقیناً ضعیف ہے۔ لہذا یہ حدیث تو بہر حال ضعیف ہے کیونکہ اس کا یہ راوی ضعیف ہے اگر چہ امام ترمذی نے غلط فہمی سے اس ضعیف راوی کی جگہ ایک دوسرے ثقہ راوی کا نام لیا ہے۔ اور پھر اس ثقہ راوی کو ضعیف کہا ہے۔ (از تحفۃ الأحوذی)

حدثنا نصر بن علی ثنا عامر بن أبی عامر الخزاز ثنا ایوب بن موسی عن أبیه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: مانحل والد ولدا من نحل افضل من ادب حسن. هذا حديث غريب. لانعرفه الامن حديث عامر بن ابی عامر الخزاز. وأیوب بن موسی هوابن عمرو بن سعيد بن العاص. وهذا عندی حديث مرسل.

ترجمہ: حضرت ایوب بن موسیٰؒ اپنے باپ (موسیٰ) سے اور وہ ایوب کے دادا (عمرو بن سعید بن العاصؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: کسی بھی باپ نے اپنے بچے کو اچھی تہذیب وشائستگی (سکھانے) سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دیا۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے عامر بن ابی عامر الخزاز کے بغیر کسی اور طریق سے نہیں جانتے ہیں۔ اور ایوب بن موسیٰ جو ہیں، وہ ابن عمرو بن سعید بن عاص ہیں۔ اور یہ حدیث میرے نزدیک مرسل ہے۔

نحل اور نحلہ:

عطیہ کے معنی میں آتا ہے، یعنی اچھی تادیب وتعلیم، تہذیب اور شائستگی ماں باپ کی طرف سے اپنی اولاد کے لئے سب سے بہتر عطیہ ہے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں جو ماں باپ اپنی اولاد کو ہبہ اور عطیہ کے طور پر دے دے۔ تو ماں باپ اگر اپنی اولاد کو سب سے بہتر عطیہ دینا چاہتے ہوں تو ان کو بہتر اسلامی تعلیم وتہذیب کے زیور سے آراستہ کریں جو ان کو دین ودنیا کی کامیابی وسرفرازی سے ہمکنار کر دے۔

سلسلہ خطبات جمعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب
ضبط وترتیب : حافظ محمد سلمان الحق انوار حقانی
مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

کمالات ومحاسن خیر الامم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم والذين امنوا اشد حبالله صدق الله العظيم وقال رسول الله ﷺ لا يومن احدكم حتى اكون احب اليه من والده وولده والناس اجمعين (بخاری ومسلم)

گزشتہ خطبات کے دوران مذکورہ آیت کریمہ اور حدیث مطہرہ کے بیان کے سلسلہ میں رب ذوالجلال اور نبی الرحمہ سے محبت کی جتنی عقلی وجوہات کا ذکر ممکن ہو سکا ''مشت نمونہ خروار'' کے طور پر عرض کر چکا ہوں کہ جن عقلی وزمینی حقائق کی وجہ سے کسی سے سب سے زیادہ محبت کی جاتی ہے وہ تمام وجوہات حق تعالیٰ میں بدرجہ اتم موجود اور حضور ﷺ کو جملہ مخلوقات کے مقابلہ میں تمام صفات وکمالات ومکارم اخلاق سے اللہ نے نوازا تھا۔

محبت کے اسباب:

دنیا میں محبت کرنے کے لئے محبوب میں ہر کوئی اپنے اپنے پسند کو وجہِ محبت قرار دیتا ہے۔ کوئی کسی کا گرویدہ ہونے کے لئے محبوب کے حسن و جمال کو محبت کا سبب بیان کرتا ہے۔ بعض لوگوں کا میلان ورغبت قرابت داری کی وجہ سے اور بیشتر لوگوں کا کسی سے محبت کرنے کا اہم سبب کمال ہوتا ہے۔ خواہ حلم وعفو کا کمال ہو' شجاعت وسخاوت' شفقت و مہربانی' جلالت وعظمتِ علمی کا کمال ہو یہ تمام اسباب محبت خواہ طبعی ہوں یا عقلی' خالق کائنات میں بدرجہ کمال موجود ہیں۔

جامع الکمالات:

اور اسی مشفق ومہربان ذات نے جو اخلاق وصفات حمیدہ قرآن میں ذکر فرمائے ان سب صفات سے حضور ﷺ کو مزین فرما کر ان کی مدح فرمائی۔

ارشاد گرامی ہے: لقد كان لكم في رسول الله اسوه حسنه:

ترجمہ: تم لوگوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات عمدہ نمونہ تھی اور قیامت تک رہے گی۔

عقلی ونقلی دلائل' عرف ورواج کے مطابق کمالات سے مالا مال ہستیوں سے محبت ہونا لازمی ہے۔ سب سے بالا وبرتر

ذات باری تعالیٰ اور انکے بعد محسن انسانیت ﷺ کی ذات جامع الکمالات ہوئی ۔اسی قاعدہ واصول کے مطابق ان دونوں سے محبت بھی تمام مخلوقات سے زیادہ اور ان کی عظمت کا دل و جان سے معترف ہونے پر ہی ایمان کے بقاء کا دارومدار ہے اگر محبت وعظمت ہے تو ایمان کے خلعتِ فاخرہ کا علمبردار اور مومن ہونے کے دعوے میں سچا وگرنہ خدا کے عذاب کے برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

محبت کے تقاضے:

اب تک کے بیان سے معلوم ہوا کہ کائنات میں سب سے زیادہ محبوب ترین ذات اللہ ورسول ہی ہیں جن کے ساتھ سچی اور مکمل محبت کیجائے ۔اب دنیا میں جس سے فانی وعارضی محبت کی جاتی ہے اس کے ہر حکم کو بجالانا اپنے ایفائے محبت کی تکمیل کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے۔محبوب کی ہر ادا کو تحسین کی نظر سے دیکھ کر اپنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔معشوق کی جس چیز سے دور کی نسبت وتعلق ہو عاشق بھی اسے قدر ومحبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔اس کے رنگ میں رنگ ہوجانے کو اپنے لئے باعث سعادت وعظمت سمجھ کر اس کے ناگوار حرکات کو بھی خوبصورتی کا جامہ پہنانے کی کوشش کرتا ہے۔مجازی محبت کے راستے میں مشکل ترین مصائب ومشکلات اور معرکوں کو سر کرنا محبوب مشغلہ بن کر طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔محبوب کے اشارۂ آبرو پر ناممکن کام کو ممکن بنانے میں اپنی زندگی کو قربان کرنا اعزاز سمجھ کر تعمیل حکم میں مصروف ہوجاتا ہے۔

<u>دنیا کو بقا نہیں:</u>

حالانکہ کیا یہ دنیا ہوگی اور کیا اس کی محبت؟ نہ اس دنیا کو بقا ہے اور نہ یہاں کی مجازی محبتوں کو۔

فرمان الٰہی ہے کہ وما ھذہ الحیوۃ الدنیا الالھو ولعب وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون (سورۃ العنکبوت)

ترجمہ: دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشہ ہے سچی وحقیقی زندگی صرف آخرت کی ہے اگر یہ لوگ جانتے۔

یعنی دنیا وسامان دنیا کو دوام نہیں۔اس کو زائل وفانی ہونا ہی ہے۔جس طرح کھیل کود کا مزہ اور لذت چند لمحوں کا ہوتا ہے اسی طرح دنیا کی زندگی اس کی محبتیں اس کی عیش وعشرت فانی وعارضی ہے۔حقیقی' دائمی ولازمی زندگی آخرت کی ہے جس کو دوام وثبات حاصل ہے۔دنیا ودنیا کے فانی مخلوق سے محبت یا تو مرنے سے پہلے ختم ہوجاتی ہے یا آنکھ بند ہوتے ہی اس کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا محبوب کا اپنے محب سے تعلق بھی اپنے مقاصد کے حصول تک قائم رہتا ہے۔مقصد براری کے بعد وہ بھی آنکھیں پھیر کر عاشق بے چارے کی ساری امیدیں خاک میں ملا دیتا ہے۔

<u>اطاعت' محبت کی علامت:</u>

دنیا میں رہتے ہوئے یہاں کی ہر شئے سے محبت کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت لازوال'

باقی اور قائم ودائم رہنے والی ہے اس بے غرض ولالچ سے خالی محبت کے اثرات نہ صرف دنیوی زندگی بلکہ عالم آخرت میں نجات وفلاح کی صورت میں سعادت دارین کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔لیکن بلند مقام ہم کوتب ملے گا کہ اللہ ورسول کی محبت کا دعویٰ کے ساتھ ان کی اطاعت بھی ہو جیسے کہ دنیا کے فریفتگی کا میں نے مثال عرض کر دیا بیوی بچوں سے محبت ہے توان کی خوشنودی کے لئے دن رات ایک کر کے کسی تکلیف وآفت کی پرواہ کئے بغیران کی ہر خواہش کی تکمیل میں لگے رہتے ہیں۔تو اللہ اور رسول سے محبت ہونے کے بعد اس کی نشانی یہ ہے کہ اطاعت بھی لازمی ہے۔

(محمد عربیؐ سے محبت اس لئے بھی جز وایمان کہ حب اللہ ہمارا محبوب اور حضور اللہ کے محبوب تو محبوب کے ہر چیز کا محبوب ہونا محبت کا خاصئہ لازمہ ہے) اگر آپؐ سے کامل محبت نہ ہوگی تو ایمان سے محرومی ہوگی اور ہر محبت کی پہچان اس کی نشانیوں سے ہوتی ہے حضور سے محبت کی نشانی یہ کہ اس کے طریقے پر عمل کیا جائے حضور نے بذات خود ارشاد فرمایا ہے۔

من احب سنتی احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة (ترمذی)

"جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔"

صدیقین کے ساتھ انجام:

آپؐ نے محبت کو بنیاد قرار دے کر فرمایا کہ مجھ سے محبت کرنا اس بات کی نشانی ہے کہ وہ بندہ میری اطاعت کر رہا ہے اور میری اطاعت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس بندۂ خدا کو جنت میں میری رفاقت نصیب ہوگی۔اصل چیز محبت ہے۔محبت کی سچائی کی دلیل حضور کی اطاعت' اور سنتوں کی تابعداری ہے۔جب اطاعت اور تابعداری ہوگی تو محبت کی سچائی بھی ہے۔اگر صرف محبت کا دعویٰ ہو اس کی ہدایات وفرمودات پر چلنا نہ ہو تو پھر صرف دعویٰ تو ہے حقیقت کچھ نہیں۔آیت کریمہ وحدیث مبارکہ میں بندہ سے مطلوب یہی محبت ہے جس کی موجودگی میں اللہ ورسولؐ کی محبت خویش واقارب' ماں باپ اور اولاد کی محبت سے زیادہ ہو کر یہی انسان صدیقین کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔

پروردگار کی شانِ کریمانہ: پھر مالکِ کون ومکان کی شان کریمانہ کو دیکھئے کہ اپنا اور دنیا کے مال ومتاع اولاد وغیرہ سے محبت کو بالکل ممنوع قرار نہ فرمایا۔یہ حکم نہ دیا کہ اولاد کی محبت کو دل سے نکال دو' والدین ومال کی محبت بالکلیہ ختم کردو' بیوی واعزہ اقارب کے ساتھ حب کا رشتہ قائم نہ کرو کیونکہ یہ محبت طبعی ہوتی ہے' انسان کے لفظ کا مادہ ہی "انس" ہے جس کے معنی محبت کے ہیں' کسی نہ کسی چیز سے تو اسکی محبت ہوگی۔شاعر نے "انسان" کے لفظ کے معنی کا خوب تعبیر اپنے اس شعر میں کیا ہے۔

وما سمی الانسان الا لانسه وما القلب الا انه یتقلب

سچی محبت کا معیار:

ہمارا مشاہدہ ہے کہ اس عالم کا کوئی فرد بھی محبت سے خالی نہیں پھر اپنے اپنے پسند اور چوائس کی بات ہے۔ للناس فیما یعشقون مذاہب ۔کسی کو ایسی شئی کی محبت لاحق ہو جاتی ہے جسے عرف عام یا شریعت میں محمود یعنی قابل تعریف سمجھا جاتا ہے۔اور کوئی ایسے اشیاء کی محبت میں گرفتار ہے جسے مسلمانوں اور دین کی نظروں میں مذموم گردانا جاتا ہے۔ایسی محبت جو احکام الہیہ و شریعت مطہرہ سے روگردانی کا ذریعہ بنے ایسی محبت سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے۔اور جو محبت اللہ ورسولؐ کے فرمودات کے راستے میں رکاوٹ نہ بنے وہ اس حد تک جائز کہ اللہ ورسول کی محبت اس پر غالب ہو اور محبت کے ان دونوں جذبوں کا کسی مقام پر ٹکراؤ اور مقابلہ ہو تو مالک و خالق اور اس کے محبوبؐ کی محبت دوسری محبتوں پر چھا جائے۔خطبہ کے ابتداء میں ذکر کردہ حدیث اور سورۃ توبہ قرآن میں نفی احب کی آئی ہے جس کے معنی سب سے زیادہ محبوب کے ہیں کہ اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک اسے اولاد' گھر بار' مال اور تمام لوگوں کے مقابلہ میں اللہ اور رسول سب سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔کسی اور چیز کے صرف محبوب بننے میں قباحت نہیں اتنی محبت تو طبعی ہے۔پھر اللہ ورسولؐ کے محبت پر جان نچھاور کرنے والے عظیم المرتبت صحابہ نے ایسی ایسی مثالیں قائم کیں جس کی بدولت وہ نفوس قدسیہ دنیا میں بھی رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا مصداق بنے اور آخرت میں بھی مژدہ جنت سے نوازے گئے۔

ایک صحابیہ خاتون کی عظیم قربانی: آپ حضرات کو معلوم ہے معرکہ احد میں وقتی طور پر مسلمانوں کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑا حتی کہ سرور کونینؐ کے دندان مبارک کی شہادت اور رخسارِ مبارکہ کے زخمی ہونے کا حادثہ پیش آیا۔یہی اطلاعات مدنیہ طیبہ غزوہ میں شریک مجاہدین کے اہل وعیال کو بھی پہونچ رہی تھیں اسی موقعہ پر ایک صحابیہ کے شوہر اور بھائی کے شہید ہونے کی اطلاع بھی آئی۔خاتون صحابیہ میدان کارزار میں پہونچیں۔اس نے شوہر اور بھائی کی شہادت کا سن کر فوراً پوچھا ''نبیؐ کیسے ہیں'' لوگوں نے حضورؐ کے بقید حیات ہونے کی خبر دی۔اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہا کہ مجھے ان کے پاس لے جاؤ کہ خود اپنی آنکھوں سے زندہ وسلامت دیکھ لوں۔اس کی نظر جب حضورؐ کے چہرہ اقدس پر پڑی تو دیکھتے ہی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ کل مصیبب بعدک جلل آپ کو صحیح وسلامت زندہ دیکھنے کے بعد ہر مصیبت آسان ہے' یہ ہے عظمت ومحبت رسول کا جذبہ کہ اس کے مقابلہ میں شوہر و بھائی کی پاکیزہ وخونی رشتوں و جذبوں کی حیثیت بھی ماند پڑ جاتی ہے۔اپنے آپ کو مسلمان سمجھنی والی عورتوں نے عشق رسولؐ کے دعویٰ میں سچائی' جانثاری اور اسلام کے خالص ہونے کے لئے ایسے واقعات مسلم دنیا کے لئے بطور نمونہ چھوڑے کہ امت مسلمہ کی تاریخ کو ان کا فراموش کرنا ناممکن ہے۔

حضرت مولانا عتیق الرحمان سنبھلی لندن

سر اقبالؒ بنام "حسین احمدؒ"

ماضی کی ایک کہانی کا معمّہ

ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب کی روشنی میں!

کتابیں لکھنے اور چھاپے جانے کی موجودہ گرم بازاری میں اگر کوئی واقعی "کتاب" ہاتھ آجائے تو کچھ زیادہ ہی اچھی معلوم ہونا قدرتی بات ہے۔ علامہ اقبال کے سوانح حیات میں علامہ کے فرزندار جمند جسٹس (ریٹائرڈ) ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کے قلم سے نکلی ہوئی "زندہ رُود" ایک ایسی ہی کتاب کہی جانے کی مستحق ہے۔ کتاب گو تازہ بتازہ نہیں مگر راقم سطور کے ہاتھ میں وہ گزشتہ دنوں ہی آئی، تین جلدوں میں ہونے کے باوجود دلچسپی کو آخر تک قائم رکھنے والی۔

برصغیر کے پڑھے لکھے لوگوں میں کم ہی ہوں گے جنہیں علامہ کی شاعری سے دلچسپی نہ رہی ہو، تھوڑی بہت راقم سطور کے حصہ میں بھی آئی اور ظاہر ہے کہ یہ کچھ سمجھ لینے کی ہی بناء پر ہوسکتا تھا۔ مگر "زندہ رود" پڑھ لینے کے بعد جب کسی ضرورت سے کلیات اقبال کھولی تو اندازہ ہوا کہ اب بہت سے اشعار کی وہ تہیں کھل کر سامنے آئیں گی جو شاعر کی زندگی اور شخصیت سے واقفیت ہی کے نتیجہ میں کھل سکتی ہیں۔ خاص کر ان کی شاعری کا جو ایک اہم موضوع ان کی اپنی ذات ہے اس سلسلہ کے اشعار کے بارے میں تو یہ کتاب بہت صاف صاف بتائے دیتی ہے کہ اپنی کسی کمزوری کی طرف علامہ نے اشارہ کیا ہے تو اس میں کسی حد تک حقیقت ہے اور کس حد تک شاعری اور کہیں جو کوئی خوبی جتائی ہے تو اس کی واقعی حقیقت کیا ہے، اس طرح اگر علامہ کے کلام میں کہیں ایسے اشعار کسی کو نظر آتے ہیں۔ جو ان کی شاعری کے عمومی مزاج سے جوڑ نہ کھاتے ہوں ایسے اشعار کا مسئلہ حل کرنے میں بھی یہ کتاب مددگار ہونی چاہیے۔ ایسے اشعار کی ایک بہت نمایاں مثال "حسین احمدؒ" کے عنوان سے کلیات کی تقریباً آخری نظم ہے، جو علامہ کی وفات سے کوئی دو ماہ قبل (فروری ۱۹۳۸ء میں) کہی گئی اور اس کی تلخی سے ملی فضا کچھ ایسی مکدر ہوئی کہ آج تک صاف نہ ہو پائی، ان اشعار کا کوئی جوڑ علامہ کی شاعری کے عمومی مزاج اور ایک صاحب علم و فضل کی حیثیت سے ان کے مسلمہ مقام و مرتبہ کے ساتھ کبھی سمجھ

میں نہ آسکا تھا۔ اس کتاب کے ذریعہ پہلی بار ہوا ہے کہ یہ ’’عقیدہ مشکل‘‘ حل ہوتا نظر آیا۔ اس تحریر کا اصل مقصد اسی یافت کا اظہار و بیان ہے۔

علامہ کے یہ اشعار ہمارے مخدوم و محترم استاذ حدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ (م ۱۹۵۷ء) کے اس نظریہ کی تردید میں سپرد قلم ہوئے تھے کہ ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان وطنی رشتہ اتحاد کی بنا پر سیاسی نوعیت کی متحدہ قومیت کا رشتہ نہ صرف قائم ہوسکتا ہے بلکہ ملک میں تحریک آزادی کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ یہ رشتہ قائم ہو۔ وہ موقع جس پر یہ اشعار سرہوئے اس نظریے کے سلسلہ میں حضرت مولانا کے کسی تفصیلی اظہار و بیان کا نہ تھا، بس ایک تقریر کی اخباری رپورٹ تھی جو علامہ کے لئے اس طرح کے سخت ترین الفاظ میں ردعمل کو کافی ہوگئی کہ:

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ
زِ دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبیست
سرود برسر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر زمقام محمد عربیست

تین شعروں کے الفاظ میں جتنی سخت باتیں سماسکتی تھیں اس کے لحاظ سے کوئی کسر یہاں نہیں رہ گئی ہے۔ تقریر اگرچہ دہلی کے ایک سیاسی جلسہ میں تھی مگر اسے ’’برسرِ منبر‘‘ ٹھہرایا گیا ہے اور وعظ یا تقریر نہیں ’’سرود‘‘ (بہ معنی راگ) کا نام اسے دیا گیا ہے۔ پھر حیرت کا اظہار کیا گیا ہے کہ تعلق دیوبند جیسے دینی مرکز سے مسند نشینی کا ہے مگر مرکزِ دین حضرت محمد عربیؐ کے مقام سے واقفیت کی گویا ہوا بھی نہیں لگی۔ اور پھر آخر میں نصیحت ہے کہ دین تو تمام تر حضرت محمد ﷺ کو پہچاننے کا نام ہے، تم اگر ان کی ذات گرامی تک نہیں پہنچ پاتے تو پھر تمہارے حصے میں جو چیز رہی جاتی ہے وہ ’’ابولہبیت‘‘ (یعنی معاذ اللہ مصطفیٰ دشمنی) ہے۔

علامہ کے کلام میں یہ حقیقت یقیناً بے نقاب ہے کہ وہ یورپ کے پیدا کردہ وطنی قومیت کے سیاسی تخیل کو انسانیت کے لئے ایک لعنت اور خاص دین مذہب کے حق میں تو ’’کفن‘‘ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ’’زندہ رود‘‘ میں آپ کے اس فکر کی پوری تفصیلات سامنے آجاتی ہیں۔ اس لئے یہ تو سمجھ میں آنے والی بات تھی کہ علامہ جس چیز کو مذہب کا کفن جان رہے ہیں اس کی دعوت کسی قابل لحاظ اسلامی شخصیت کی طرف سے آئے تو وہ اس کی تردید میں ’ضبط سخن‘ نہ کرسکیں۔ لیکن یہ فرض کرتے ہوئے بھی کہ حضرت مولانا مدنیؒ کا جو کہنا تھا وہ وہی تھا جس کی حضرت علامہ کے فکر اور فہم اسلام میں گنجائش نہ تھی، تب بھی اس آخری درجہ کے جارحانہ انداز تردید کی توقع، جس سے ان کے اظہار مدعا سے زیادہ فریق ثانی کی معلوم و معروف حیثیت عرفی کو خاطر میں نہ لانے کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کے جیسے مرتبہ کی شخصیت سے نہیں

کی جاسکتی تھی۔ اشعار میں ''دیو بند'' کا حوالہ دلیل ہے کہ علامہ پر ''حسین احمد'' کی نہایت قابل لحاظ حیثیت عرفی مخفی نہ تھی۔ بلکہ یہی چیز گویا باعث ہوئی کہ وہ ان کی مبینہ تقریر پر نکتہ چیں ہوں۔ پھر آخر کیونکر یہ ممکن ہوا کہ اس تقریر کا حوالہ ''سرود بر سر منبر'' کے توہین آمیز الفاظ میں آئے؟ اور اس سے بھی بڑھ کر ''چہ بے خبر ز مقام محمد عربیت'' فرماتے ہوئے علامہ یہ بھی نہ سوچیں کہ یہ وہ کس کے بارے میں فرمارہے ہیں؟ اور پھر کیسے ''بہ مصطفیٰ برساں خویش'' کا سبق دے رہے ہیں وہ کہ جس نے مدتیں در مصطفیٰ پہ فقیرانہ گزاری ہیں اور جس کا دیو بند میں شغل ہی درس حدیث مصطفیٰ ہے؟

کیا یہ کہا جائے کہ عشق مصطفیٰ (ﷺ) کی جو دولت علامہ کو نصیب سے مل گئی تھی اس کے حوالے سے وہ خود بھی معاذ اللہ اسی خامی کا شکار ہوئے جس کا گلہ واعظ زاہد کے بارے میں کرتے ہوئے فرما گئے ہیں۔

غرور زہد نے سکھلا دیا ہے واعظ کو
کہ بندگانِ خدا پر زباں دراز کرے

یہ علامہ کی شدت بے پناہ کے مقابلے میں محض ایک ہلکے سے شکوے کا پیرایہ ہوگا' مگر ایسا کہنا وہی پسند کرے گا جسے اندازہ نہیں یا وہ بھول گیا ہے کہ علامہ کے عشق مصطفیٰ سے قدرت نے کیا کام ان کی شاعری کے حق میں لیا ہے' اور اس سے بھی بڑھ کر خود حضرت مولانا علیہ الرحمۃ نے علامہ کی اس سراپا آتش تنقید کے جواب میں جس پاس ولحاظ سے کام لیا ہے' اس کے ہوتے ہوئے آپ کے ایک کفش بردار کو کہاں زیبا کہ وہ کوئی الگ راہ چلے؟ علامہ کی اٹھائی ہوئی اس بحث کے سلسلہ میں ''متحدہ قومیت اور اسلام'' کے عنوان سے جو ایک مقالہ حضرت والا نے اس موقع پر تحریر فرمایا وہ مکمل ہونے نہ پایا تھا کہ علامہ نے وفات پائی' اس ناگہانی خبر کے حوالہ سے اس مقالہ کی تمہید میں رقم طراز ہوئے ہیں:

''...... جب کہ میں قومیت کی لفظی بحث کے اختتام پر پہنچ کر مقصد اصلی سے نقاب اٹھانا چاہتا تھا ناگاہ جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم ومغفور کے وصال کی خبر شائع ہوئی۔ اس ناسزاو دلگداز خبر نے خیالات وعزائم افکار پر صاعقہ کا کام کیا۔ طبیعت بالکل بجھ گئی اور عزائم فسخ ہوگئے۔''

پھر آئندہ صفحہ پر یہ کہنے کے لئے کہ ڈاکٹر اقبال صاحب اگر چہ مجھ سے اس درجہ فائق و برتر تھے کہ میں گویا ان کے سامنے طفلِ ابجد خواں مگر ہندوستانی سیاست کے مسئلہ میں ساحران فرنگ کے سحر کا شکار ہوگے تھے۔ اور ہوتا ہے کہ بعض دفعہ بڑے غلطی کر جاتے جبکہ چھوٹے محفوظ رہتے ہیں' فرمایا کہ:

''یہ امر یقینی اور غیر قابل انکار ہے کہ جناب ڈاکٹر صاحب کی ہستی کوئی معمولی ہستی نہ تھی اور ان کے کمالات بھی غیر معمولی تھے۔ وہ وہ آسمانِ حکمت وفلسفہ' شعر وسخن' تحریر وتقریر' دل ودماغ اور دیگر کمالات علمیہ اور عملیہ کے درخشندہ آفتاب تھے۔ مگر باوجود کمالات گوں ناگوں ساحرین برطانیہ کے سحر میں مبتلا ہوجانا یا بعض غلطیوں میں پڑجانا اور کسی ابجد خواں طالب علم کا اس سے محفوظ رہنا کوئی تعجب خیز بات نہیں:

گاہ باشد کہ کودکِ ناداں بر ہدف برزند تیرے

(کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک نادان بچہ کا تیر نشانہ پر بیٹھ جائے)

اے کاش علامہ اپنے ہدف کے اس ردعمل کو دیکھنے کے لئے زندہ رہے ہوتے! یہ راقم نہیں سمجھتا کہ مرحوم علامہ نے یہ تحریر پڑھی ہوتی تو اس بے نفسی اور خاک ساری کے لئے اپنی زندگی کا کوئی ایسا دوسرا تجربہ وہ یاد کر پاتے۔ اور یقین کیا جا سکتا ہے کہ علامہ کے ساتھ ''سر'' کا برطانوی خطاب اگر نہ لگا ہوتا تو متحدہ قومیت کی بابت آپ کی رائے میں برطانوی سحر کا دخل سمجھنے کی بات بھی ہمیں حضرت والا کی اس عبارت میں نہ ملتی۔

الغرض، اگر حضرت مولانا قومیت کا وہ نظریہ پیش کر رہے ہوتے جو حضرت علامہ کے فہم اسلام سے سیدھا ٹکراتا تھا تب بھی اس پر ردعمل کا یہ پیرایہ اظہار کہ مسند نشین دیوبند کو بیک جنبش قلم ''بولہبی'' تک پہنچا دیا جائے' یہ علامہ سے کسی قدر کم درجہ کی فہمیدہ وسنجیدہ شخصیت سے بھی باسانی سمجھ میں آنے والی بات نہ تھی' لیکن مولانا کی تقریر کو تو فی الواقع دور کا بھی تعلق اس بات سے نہ تھا' جو حضرت علامہ کو اس قدر ناگوار گزری' علامہ جس وطنی قومیت کو ''مذہب کا کفن'' سمجھتے تھے مولانا بھی اسے ایسا سمجھنے میں علامہ سے اگر آگے نہیں تو پیچھے بہر حال نہ تھے۔ مگر لگتا ہے کہ معاملے کے ایک خاص پس منظر کی بناء پر علامہ کو اپنا ہی بیان کردہ یہ نکتہ فراموش ہو گیا تھا کہ

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں داناں
غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

وہ تحریک خلافت جس سے ''زندہ رود'' کے بیان کے مطابق علامہ دور اور نفور رہے اور جس میں حسین احمد کا مولانا محمد علی جوہر وغیرہ کے ساتھ وہ جانبازانہ حصہ تھا جس کی تفصیل کے لئے ان لوگوں پر چلائے گئے مقدمہ کراچی (۱۹۲۱ء) کی روداد پڑھنی چاہیے۔ یہ اس اسلامی خلافت کو بچانے کے لئے ہی اٹھائی گئی تحریک تو تھی جس کا از روئے وطن ہندوستانی مسلمانوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ہاں واسلامی رشتہ ان کا اس کے ساتھ تھا جو جغرافیائی حدود قیود سے بالاتر ہے۔ اور یہ خلافتی جدو جہد اسی متحدہ قومیت کے ساتھ تھی جس کا حوالہ مولانا مدنی کی زیر بحث تقریر میں آیا۔ کون نہیں جانتا کہ اس تحریک نے مہاتما گاندھی کو اپنی سربراہی کے لئے قبول کر لیا تھا۔ اور ایسا ہونے میں ''حسین احمد'' سے کہیں زیادہ حصہ مولانا محمد علی جوہر کا تھا' جن سے برتر اسلامیت کا دعویٰ شاید علامہ اقبال کو بھی نہ ہوا ہو' یہی وہ ''متحدہ قومیت'' تھی جس کا حوالہ مولانا اپنی تقریر میں دے رہے تھے' نہ کہ وہ جو علامہ کے تصور میں تھی جس میں مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا۔

حضرت حسین احمد کے جاننے والے جانتے ہیں کہ آپ کی سیاسی زندگی ۱۹۱۷ء سے شروع ہوتی ہے جبکہ خلافت عثمانیہ کے باغی شریف حسین نے مکہ میں ان کو ان کے محترم استاذ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ساتھ گرفتار کر کے

انگریزوں کے حوالے کیا اور پھر انگریزوں نے ان کو اپنی حکومت کے خلاف باغیانہ عزائم کے حوالے سے جزیرۂ مالٹا میں چار سال قید رکھا۔ چار سال بعد ۱۹۲۰ء کے شروع میں ان حضرات کی رہائی عمل میں آئی۔ شیخ الہند کی یہ گرفتاری بے وجہ نہ تھی، یہ جنگ عظیم اول کا زمانہ تھا کہ آپ برطانوی حکومت کے خلاف ایک مکمل باغیانہ اسکیم لے کر ہندوستان کے باہر نکلے تھے، حجاز مقدس کو اولین منزل بنایا اس لئے کہ وہاں حج کے زمانہ میں ان میں سے بیشتر لوگوں سے رابطہ آسان ہوسکتا تھا جن سے اپنی اسکیم کا سلسلہ میں رابطہ مطلوب تھا۔ اور اس فہرست میں سب سے پہلے ترکی حکام تھے جن سے رابطہ ہوا بھی، مگر قسمت سے اسی زمانہ میں شریف مکہ حسین پر انگریزوں کے ڈورے کاکر گئے اور حجاز مقدس خلافت کے اقتدار سے نکل گیا۔

مارچ ۲۰ء میں شیخ الہند رہا ہوئے تو بڑھاپے اور قید کے شدائد نے زار و نزار کر دیا تھا۔ نومبر ہی میں آپ کی شمع حیات گل ہوگئی، اور پھر برطانوی حکومت کے خلاف آپ کے مشن کی علمبرداری ''حسین احمد'' کے حصہ میں آئی۔ اسیران مالٹا نے جب رہائی پائی تو اسے پہلے خلافت تحریر شروع ہوچکی تھی۔ اور یہ صرف مسلمانوں کی نہیں تمام ہندوستانیوں کی تحریک بن گئی تھی جس میں ہندو اکثریت کے سب سے بڑے نمائندہ مہاتما گاندھی پیش پیش تھے۔ شیخ الہند جن کا تحریکِ خلافت کی پوری مسلم قیادت نے مع گاندھی جی کے بمبئی پہنچ کر نہایت پر جوش استقبال کیا تھا، اس تحریک کے لئے سب سے بڑی اسلامی اتھارٹی کے حامل مانے گئے۔ اور آپ نے اس متحدہ تحریک اور اس کے پروگرام عدم موالات (نان کواپریشن) پر مہر تصویب ثبت فرمائی۔ اسی پر عمل درآمد کے نتیجہ میں ''حسین احمد'' پر مولانا محمد علی وغیرہ کے ساتھ بغاوت کا مشہور مقدمہ کراچی چلا۔ اور دو دو سال کی جیل ہوئی۔

یہ ہے حسین احمد کے اس نظریہ متحدہ قومیت کا پس منظر جس کا آپ کی ۳۸ء کی اس تقریر میں حوالہ ایک طوفان اٹھا گیا۔ یعنی یہ وہی متحدہ قومیت تھی، جس کے جھنڈے کے نیچے تحریک خلافت کے دور میں علامہ اقبال اور مسٹر محمد علی جناح جیسے خال خال افراد کو چھوڑ کر مسلم ہندوستان کی وہ تمام ہستیاں سرگرم رہی تھیں جن کی طرف ملی مسائل کے لئے لوگوں کی نظریں اٹھتی تھیں۔ علامہ اقبال ''حسین احمد'' سے کچھ زیادہ واقف ہوں یا نہ ہوں متحدہ قومیت والی بات کے اس پس منظر سے ناواقف نہیں ہوسکتے تھے۔ تحریک خلافت سے ان کے بے تعلق رہنے کی تو ایک اہم وجہ یہی تھی مگر یہ دینی حوالے سے تھی، ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

قیام انگلستان کے دوران جب وہ (ذہنی) انقلاب سے گزرے اور انہی ایام میں برصغیر میں مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کا اصول تسلیم کرلیا گیا تو اقبال سرسید احمد خان کے سیاسی مکتبہ فکر کو درست خیال کرتے ہوئے ذہنی و قلبی طور پر اس سے وابستہ ہوگئے۔ سرسید کے سیاسی مکتبہ فکر کی منطق یہ تھی کہ...... جمہوریت کے ذریعہ قومیت متحدہ کی بنیاد تبھی رکھی جاسکتی تھی جب ہندو اور مسلمان مرکزی حکومت میں برابر کے حصہ دار ہوں، لیکن فرقہ وارانہ منافرت کے

سبب ہندو ایسی صورت کو قبول کرنے کے لئے کبھی آمادہ نہیں ہو سکتے تھے۔ پس برصغیر میں قومیت متحدہ کا تخیل خیال خام تھا۔ (زندہ رود۔ جلد سوم صفحہ ۲۹۱۔۹۲)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انہیں اصولاً متحدہ قومیت سے انکار نہ تھا۔ نمائندگی میں برابری کی شرط کے ساتھ وہ منظور تھی۔ پس علامہ کے اس سیاسی فکر دعقیدہ کے بے شک یہ حق تھا کہ کوئی آواز اس شرط کے بغیر متحدہ قومیت کے حق میں بلند کی جارہی ہو تو اسے چیلنج کریں۔ مگر اس کے لئے سیاسی زبان کی بجائے یہ دینیات کی زبان کا سوال کیونکر پید ہو گیا؟ اور وہ بھی ایک اعلیٰ درجہ کے مستند و مسلم عالم دین کے مقابلے میں! جب کہ علامہ اسلامی دینیات پر کتنا بھی عبور اپنے مطالعہ کی بنیاد پر رکھتے ہوں مگر ان جیسے ذی فہم کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس عبور کو باضابطہ تحصیل کا ہمسر سمجھتے ہوں گے۔ اور اگر سمجھتے بھی ہوں تب بھی جو زعم و پندار آمیز لہجہ انہوں نے اس چیلنج میں اختیار فرمایا وہ یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ ضرور اس کے پس منظر میں کچھ خاص حالات و معاملات ہونے چاہئیں۔ ورنہ یہ علامہ کے مقام سے فروتر بات تھی اور قطعاً غیر متوقع بات تھی۔ ''زندہ رود'' نے انہیں خاص حالات سے پردہ اٹھانے کا کام انجام دیا ہے۔

کم سے کم راقم سطور کے علم میں اس سے پہلے نہ تھا کہ حضرت علامہ نے برصغیر کی سیاست میں کوئی سرگرم عملی حصہ بھی لیا' کل ہند مسلم لیگ کی سیاست سے ان کا عملی تعلق صرف ۱۹۳۰ء کے خطبہ صدارت الہٰ آباد کی حد تک معلوم تھا۔ اس کتاب سے معلوم ہوا کہ ۱۹۲۶ء میں جب علامہ نے لاہور سے پنجاب صوبائی کونسل کا انتخاب لڑا تب سے مسلم لیگ سے ان کی وابستگی جو پہلے بس فکری درجہ کی تھی سرگرم عملی وابستگی میں تبدیلی ہو گئی تھی۔ اور اس رشتہ کی یہ سرگرمی ٹھیٹھ سرسید مکتب فکر والی لائن پر تھی۔ چنانچہ ۱۹۲۷ء میں جب برطانوی حکومت نے سائمن کمیشن کے تقرر کا اعلان کیا جس کو ہندوستان کے لئے آئندہ دستوری اصلاحات کے بارے میں سفارشات پیش کرنا تھیں اور اس کمیشن میں تمام کے تمام انگریز تھے ایک بھی ہندوستانی کو نہیں لیا گیا تھا۔ تو اس پر کانگریس نے اس کے بائیکاٹ کا اعلان کیا۔ مسلم قائدین میں خود مسٹر جناح صدر مسلم لیگ کا یہی فیصلہ تھا' مگر اقبال اس کے برعکس اپنے صوبائی صدر سر محمد شفیع کے ساتھ اس کمیشن کے تعاون کے لئے اس حد تک گئے کہ مسلم لیگ' جناح لیگ' اور شفیع لیگ کے دو ٹکڑوں میں بٹ گئیں۔ اور یہ دونوں لیگیں پبلک سطح پر ایک دوسرے سے متصادم ہوئیں۔ چنانچہ جب مسٹر جناح نے دوسرے مسلم لیڈروں کے ساتھ مل کر ایک بیان کمیشن کے مقاطعہ کے لئے شائع کیا تو اس کے ردعمل میں علامہ اقبال نے اپنے ہم خیالوں کے ساتھ ایک بیان دیا جس کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا تھا کہ:

''ہم نہایت جرأت اور زور سے کہتے ہیں کہ ہم کرایہ کے ٹٹو بننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ مسٹر جناح اور دیگر حضرات نے یہ فقرہ اڑا لیا ہے کہ ہماری خودداری ہمیں رائل کمیشن کی تائید کی اجازت نہیں دیتی۔ ہم اس کے برعکس یہ

کہتے ہیں کہ فرقہ وارانہ جنگ اور خودداری یکجا قائم نہیں رکھی جاسکتیں......'' (صفحہ ۳۳۔۳۴)

پنجاب مسلم لیگ جس کے علامہ صاحب سیکرٹری تھے اور سر محمد شفیع صدر' اس کی اس روش پر مولانا محمد علی جوہر نے اپنے اخبار ہمدرد میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: ''سر محمد شفیع سے بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ کسی وائسرائے کی رائے سے ہم رائے نہ ہوں۔ انہوں نے وفاداری کا راگ گانا شروع کر دیا ہے۔ پنجاب کی بدقسمتی ہے کہ سر محمد اقبال جیسے لیڈر سر محمد شفیع جیسے وفادار کو اپنی آزاد خیالی کی سطح تک ابھار کر نہ لا سکے بلکہ برخلاف اسکے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی سر محمد شفیع کی وفاداری کی پست سطح پر اتر آئے ہیں۔ چنانچہ کمیشن کے متعلق پنجاب مسلم لیگ کے سیکرٹری کا بیان اسکے صدر کے بیان سے کہیں زیادہ چاپلوسی کا ہے۔'' (ص ۳۳)

علامہ صاحب اس درجہ کامل ''سرسیدی'' تو ڈاکٹر جاوید اقبال کے صریح بیان کے مطابق تھے ہی' اس پر مزید یہ کتاب یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ وہ برصغیر کے معاملات کو ایک حد تک پنجابی صوبائیت (یا کہیے علاقائیت) کی سطح سے دیکھنے والوں میں بھی شامل ہوگئے تھے۔ سائمن کمیشن کے بارے میں ان کے جس بیان کے آخری فقرے اوپر نقل کئے گئے ہیں اسی بیان میں ہے کہ:

''جن مسلمانوں نے مسٹر جناح کے اعلان پر دستخط کئے ہیں ان میں سے بعض تو ایسے صوبوں سے تعلق رکھتے ہیں جن میں مسلمان آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں۔ ان کی روش پنجاب اور بنگال ایسے صوبوں کے مسلمانوں کی حکمت عملی کو تبدیل یا وضع نہیں کرسکتی۔'' (ص ۳۴)

اسی طرز فکر کا اظہار ان کے مسٹر محمد علی جناح کے نام ایک خط سے بھی ہوتا ہے جو ۲۱/ جون ۱۹۳۷ء کو لکھا بتایا گیا ہے اس خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''......میرے خیال میں نیا آئین ہندوستان کو ایک ہی وفاق میں مربوط کر لینے کی تجویز کی بنا پر حد درجہ یاس انگیز ہے' ہندوستان میں قیام امن اور مسلمانوں کو غیر مسلموں کے غلبہ و تسلط سے بچانے کی واحد ترکیب وہی ہے جس کا ذکر میں نے اوپر کیا۔ یعنی مسلم صوبوں پر مشتمل ایک جداگانہ وفاق کا قیام...... میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ شمال مغربی ہند اور بنگال کے مسلمانوں کو فی الحال مسلم اقلیت کے صوبوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔'' (ص ۳۲۸) (نوٹ: آخری جملہ کو انڈر لائن کیا جانا یہ راقم کی طرف سے ہے)

کیا یہ طرز کلام انہیں علامہ اقبال کا ہوسکتا ہے جنہیں ہم ''عشق کے دردمند'' کے طور پر جانتے آئے تھے؟ اور جن کی آفاقیت نے کہا تھا:

درویش خدامست ' نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلّی نہ صفاہان نہ سمرقند

نیز ارشاد ہوا تھا:

تو ابھی رہ گزر میں ہے، قیدِ مقام سے گزر
مصر و حجاز سے گزر، پارس و شام سے گزر

نہیں، یہ دراصل ان کے اندر ۱۹۲۷ء سے پروان چڑھنے والی ایک نئی شخصیت کا ظہور تھا، جو ۳۷ء کے اس معرکہ انگیز سال میں اپنے کمال کو پہنچ گئی نظر آتی ہے، جس میں انڈیا ایکٹ ۳۵ء کے ماتحت ہونے والے الیکشن کے بعد یوپی کی وزارت سازی کے مسئلہ پر لیگ اور کانگریس کے درمیان کبھی نہ پٹنے والی خلیج پیدا ہوئی اور محمد علی جناح بھی سرسید والے دوقومی نظریے کو اپنانے کی طرف چل پڑے اور یہ ۳۷ء وہ سال تھا کہ علامہ کی ۳۴ء سے شروع ہونے والی علالت اپنی آخری حدیں چھونے لگی تھی اور بالآخر اپریل ۳۸ء میں شمع حیات ہی گل کر گئی۔ زندگی کے اس مرحلے میں علامہ کے لئے یہ صورتحال کس قدر تسکین بخش رہی ہوگی کہ وہ اپنے جیتے جی مسٹر محمد علی جناح کو فکری طور پر وہیں پہنچتا ہوا دیکھ رہا تھے جہاں ان کو پہنچانے کے لئے وہ ۱۹۲۷ء سے کوشاں ہوئے تھے۔ ایسے میں ناگاہ ان کے کان میں آواز آتی ہے کہ مسندِ آرائے دیوبند مولانا حسین احمد مدنی اس دوقومی نظریہ کی راہ میں حائل ہونا چاہتے ہیں تب۔ اس پورے پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے ...... ان کا اس پر یہ بھڑک اٹھنے والا انداز کچھ غیر متوقع نہیں رہتا۔ آخر کو انسان تھے۔

صحت کے اعتبار سے علامہ کے ضعف کا یہ عالم بھی یہاں ملحوظ رہے کہ فروری میں کہے گئے ان اشعار کے سلسلہ میں چھڑ جانے والی بحث پر جب علامہ نے اپنی بات مدلل کرنے کے لئے ایک مفصل بیان کی ضرورت سمجھی تو خود اس قابل نہ تھے کہ اس کو لکھ سکیں، بلکہ ڈاکٹر جاوید اقبال کے بیان کے مطابق یہ کام ان کے خاص معاونین، چودھری محمد حسین وغیرہ نے انجام دیا (ص ۳۶۸) اور خود اشعار بھی اپنے معنوی پہلو سے اس گواہی کے لئے کم نہیں کہ علالت کے اثرات ایسے ہی غیر معمولی درجہ پر پہنچ چکے تھے۔ ورنہ اگر کسی نے "ملت از وطن است" کا سرود "برسرِ منبر" الاپنے کا ارتکاب کیا بھی تھا تو "مقامِ محمدؐ" کی معرفت تو بہت آگے کی چیز، یہ تو اس شخص کے دین محمدؐ کی الف باتا سے بھی بے خبری کی دلیل ہے۔ پھر یہاں کیا محل کہ مقام محمد سے بے خبری کی طعن کی جائے؟ اور وہ کہ جو دین مصطفیٰ ﷺ کی الف باتا سے بھی بے خبر پایا جارہا ہو اسے کیا سمجھ آئے گی کہ یہ "مصطفیٰ برساں خویش را" میں علامہ نے کیا فرمایا؟ مگر چونکہ علامہ کے یہاں اصل دین اور دینداری حضرت محمد ﷺ سے جذباتی تعلق ہے، جیسا کہ ان کی شاعری سے عیاں ہے۔ اور اسی کو جناب رشید احمد صدیقی مرحوم

نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ "اقبال پر دنیا کے بڑے مذہب کی گرفت اتنی نہیں جتنی ایک بڑی شخصیت کی ہے۔" (اور اسی سے ان کی ان عملی دینی کمزوریوں کا عقدہ حل ہو جاتا ہے جو کچھ ایسی راز بھی نہ تھیں اور ڈاکٹر جاوید نے تو ان کو اس درجہ کھول کر بیان کر دیا ہے کہ اچھا تھا اگر وہ یہ نہ کرتے ۔) پس ان اشعار کے معنوی پہلو کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ انحطاطِ قویٰ کے اس عالم میں جب علامہ نے "ملت از وطن است" کے "سرود" پر گرفت کے ارادہ سے قلم اٹھایا تو وہ موقع ومحل کی رعایت کرنے کی بجائے بے ساختہ اسی راہ پر رواں ہوا جس کا وہ عادی تھا۔

الغرض علامہ ان اشعار کی تسوید کے وقت جن خاص حالات کے ماحول میں اور صحت کی جس منزل میں تھے اس کے پیش نظر ان کا یہ غیر متوقع کلام کچھ ایسا نا قابل فہم نہیں رہتا۔ صد شکر کہ علامہ کو انتقال سے پہلے اس کا موقع میسر آ گیا کہ اس قضیہ نامرضیہ کی وراثت چھوڑ کر نہ جائیں ۔ حضرت مولانا کی طرف سے کی گئی ایک وضاحت آپ تک پہنچی' جس کے حوالہ سے یہ اعلان اخبارات میں چھپوایا کہ اس کے بعد مولانا پر اعتراض کا کوئی حق انہیں نہیں رہتا۔ مگر افسوس آپ کے لوگوں نے آپ کے بعد آپ کا جو مجموعہ کلام "ارمغان حجاز" چھپوایا تو اس میں ان اشعار کو شامل کیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ زندہ رود میں اس سوال کا جواب بھی آیا ہے۔ اور اس سے ان "خاص حالات" کے غیر معمولی اثرات کی مزید توثیق ہوتی ہے جن کے حوالہ سے علامہ کے بالکل غیر متوقع طرز کلام کی توجیہ ممکن ہوئی۔ علامہ کے رجوع کے بعد ان اشعار کو ان کے نامہ اعمال میں برقرار رکھنے کا جواز بتاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ مولانا نے بعد میں "متحدہ قومیت اور اسلام" کے نام سے جو رسالہ چھاپا وہ وضاحت کے برعکس تھا' پھر اس میں علامہ کی توہین کرتے ہوئے انہیں ساحران برطانیہ کے سحر میں مبتلا قرار دیا گیا اور "کودکِ ناداں" کے لقب سے نوازا گیا۔ (ص ۷۰ ۳) "اس بیان جواز میں صرف یہی نہیں ہے کہ ساحرین برطانیہ کے سحر میں آ جانے کی جو بات حضرت مولانا نے محض ایک بشری کمزوری کے طور پر کہی تھی' جو کسی بھی شخص کو لاحق ہو سکتی ہے' اسے طنز وملامت پر محمول کر لیا گیا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ "کودکِ ناداں" والا شعر جو صاف طور پر حضرت مولانا نے' از راہ عجز وانکسار' اپنے حق میں لکھا ہے اسے علامہ کے حق میں پڑھ لیا گیا۔ حالانکہ "زندہ رُود" پڑھ کر کسی ایسے شبہ کی ادنیٰ گنجائش نہیں رہتی کہ ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کی اردو فارسی اتنی کمزور ہو۔ تو پھر اس برعکس فہم کی ذمہ داری کے لئے نظر سوائے مسلم لیگ اور کانگریس کی ہوشربا کشمکش والے ان حالات کے اور کس طرف جائے جو مسٹر جناح سے مولانا آزاد کو "شو بوائے" کہلوا دیں اور علامہ کی زبان پر شیخ دیوبند کے لئے

''بولہبی'' کی وعید جاری کرادیں۔

اس تحریر کا اصل مدعا تو پورا ہوگیا۔ یوں اور کافی باتیں اس مین ایسی ہیں کہ نقل کردینے کی گنجائش ہوتو سب کام کی۔ تاہم ان میں ایک دو جو موجودہ مادیت اور زر پرستی کے دور میں ''قندیل رُہبانی'' کا سا منظر پیش کرتی ہے۔ ان کی گنجائش تو نکالنی ہی چاہیے۔ شاید ہم میں سے کچھ لوگوں کے دل ان میں پوشیدہ نصیحت سے جاگ پڑیں، کہ بہت اندھیری چھائی ہے، اور یہ نصیحت علامہ کی شاعری کے خاص موضوعات میں سے بھی ہے۔

علامہ کے سفر افغانستان کے حوالہ سے وہاں کی معروف شخصیت ملا شور بازار کے یہاں حاضری کا جو ذکر آیا ہے تو بے تاج بادشاہی کا درجہ رکھنے والی اس شخصیت کے مکان کی کیفیت بھی قابل ذکر پائی گئی۔ لکھا ہے کہ وہ'' ایک تنگ گلی کے اندر تھا اور ہر قسم کے تزک واحتشام اور ظاہری آراستگی سے خالی۔ باقاعدہ نشستگاہ بھی نہ تھی، زنانہ مکان تھا جہاں پردہ کرا کر ان لوگوں کو اندر جانے کی اجازت ملی۔ انہیں ایک لمبے کمرہ میں لے جایا گیا جس میں ایک طرف یک پلنگ بچھا تھا اور باقی زمین پر سادہ فرش بچھا تھا۔'' (ص ۲۳۶)

علامہ کو ان کی زندگی کے آخری سالوں میں علالت کے ساتھ ساتھ معاشی پریشانی نے بھی گھیر لیا تھا۔ آپ کے دوست اور قدرداں سر راس مسعود (وزیر تعلیم ریاست بھوپال) کی کوشش سے ریاست سے آپ کے لئے پانسو روپے ماہوار تاحیات کا وظیفہ منظور ہوا۔ سر راس مسعود نے اس کی اطلاع کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ وہ کوشاں ہیں کہ بھوپال کے علاوہ حیدرآباد، بہاولپور وغیرہ بھی ان کے لئے وظیفے جاری کریں۔ اس کے جواب میں علامہ کا خط نقل کیا گیا ہے۔

''آپ کو معلوم ہے کہ اعلیٰ حضرت نواب صاحب بھوپال نے جو رقم میرے لئے مقرر فرمائی ہے وہ میرے لئے کافی ہے۔ اور اگر کافی نہ بھی ہوتو میں کوئی امیرانہ زندگی کا عادی نہیں۔ بہترین مسلمانوں نے سادہ اور درویشانہ زندگی بسر کی ہے۔ ضرورت سے زیادہ کی ہوس کرنا روپیہ کا لالچ ہے جو کسی طرح بھی کسی مسلمان کے شایان شان نہیں ہے۔ آپ کو میرے اس خط سے یقیناً کوئی تعجب نہ ہوگا کیونکہ جن بزرگوں کی آپ اولاد ہیں اور جو ہم سب کے لئے زندگی کا نمونہ ہیں ان کا شیوہ ہمیشہ سادگی اور قناعت رہا ہے۔'' (ص ۳۷۸)

<u>انٹرویو</u>

حضرت مولانا عیسیٰ منصوری*

ضبط و ترتیب: شکیل رشید

اسلام ایک نظریہ ہے اور مغرب صرف ایک طاقت

حضرت مولانا محمد عیسیٰ منصوری ورلڈ اسلامک فورم (لندن) کے چیئرمین ہیں' یہ وہ ادارہ ہے جو یورپ میں مسلمانوں میں تعلیم کے فروغ کے لئے سرگرم ہے۔ اس کے ایجنڈے پر 'میڈیا' کے ذریعے اسلامی نظریات کو پھیلانا بھی شامل ہے' حضرت مولانا محمد عیسیٰ منصوری اپنی تحریروں کے ذریعے دونوں کام بڑی ہی تندہی سے کر رہے ہیں' جنگ جیسے کثیر الاشاعت اردو روزنامے میں حضرت مولانا کے کالم مستقل شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کالموں کے ذریعے وہ مسلمانوں کے تعلیمی' اقتصادی' سماجی' معاشرتی اور مذہبی مسائل اور امور پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ''دینی مدارس اور عصری تقاضے'' مغربی افکار و نظریات اور ان کا تاریخی پس منظر'' مقالات منصوری'' (دو جلدوں میں) حضرت مولانا کی چند گرانقدر تصانیف ہیں جو پاکستان سے شائع ہوئی ہیں' اور ساری دنیا میں پڑھی جاتی ہیں' اردو ٹائمز ممبئی نے حضرت مولانا کی ممبئی آمد پر ان سے ملاقات کی' ان سے کی گئی گفتگو کے اقتباسات درج ذیل ہیں:

س: حضرت مولانا عیسیٰ منصوری صاحب آپ کا تعلق بنیادی طور سے ہندوستان کی ریاست گجرات سے ہے اور گجرات میں سخت قسم کے فسادات ہوئے ہیں' کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یورپ کے گجراتی مسلمانوں پر ان فسادات کے کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں؟

ج: یہ سچ ہے کہ یورپ میں سورت اور بھڑوچ اور دوسرے اضلاع کے بہت سارے مسلمان بستے ہیں' ان کے رشتے دار اور عزیز فسادات کی بھینٹ چڑھے ہیں' ظاہر ہے کہ فسادات کے ایام میں ان میں بڑی بے چینی تھی' لوگ یہ جاننے کے لئے بیتاب رہتے تھے کہ گجرات میں کیا ہو رہا ہے؟ ہم تمام لوگوں نے یہاں انگلینڈ میں سرکاری ذمہ داران سے ملاقاتیں کیں' مختلف ملکوں کے سفیروں سے ملے' وزیر داخلہ جیک اسٹرا' اور وزیر اعظم ٹونی بلیر کو یادداشتیں دیں اور مختلف ذرائع سے حکومت ہند پر دباؤ ڈلوانے کی کوششیں کیں کہ فسادات رک جائیں۔ میں آپ کو بتاؤں کہ جب گجرات کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی لندن آئے تو مسلمانوں نے ان کی بڑی ہی سخت مخالفت کی تھی' مہیش بھٹ جی کا مجھے

* چیئرمین ورلڈ اسلامک فورم انگلینڈ

فون آیا تھا کہ مودی سے مل کر ان سے بات کی جائے' ہم ملاقات نہیں کرنا چاہتے تھے مگر ہم نے ملاقات کی اور ان کے سامنے گجرات کے مسلمانوں کے حالات رکھے۔ اب بھی یہاں کے لوگ مودی اور ان کی حکومت سے خوش نہیں ہوئے ہیں' لوگ اب بھی بے چین رہتے ہیں۔

س: آپ لوگوں نے گجرات کے فسادیوں کے خلاف عدالت میں مقدمات قائم کئے تھے۔ ہم نے ایڈوانی اور مودی کے خلاف عالمی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی بھی تیاری کی تھی' اس وقت برطانیہ کی حکومت نے ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ بھی کیا تھا مگر پھر برطانیہ کے مفادات اس کے سامنے آ گئے' اور تمام معاملہ دھرا کا دھرا ہی رہ گیا' حکومت برطانیہ ہی معاملہ عالمی عدالت میں لے جانے کی مجاز تھی' مگر وہ پیچھے ہٹ گئی اور ہماری کوششیں ناکام رہیں' مگر ایک بات یہ ضرور ہوئی کہ ہماری کوششوں کے نتیجے میں مودی کے مظالم اور آر ایس ایس کی ذہنیت سے یہاں کے تمام لوگ بخوبی واقف ہو گئے' جب مودی یہاں آئے تھے تو یہاں کے بڑے بڑے اخباروں نے سرخیاں لگائی تھیں' ۳ ہزار مسلمانوں کا قاتل مودی۔

س: سنا ہے کہ آپ کے فورم کی کوششوں سے برطانیہ میں آر ایس ایس پر ریسرچ کیلئے ادارے قائم ہوئے ہیں؟

ج: یہ سچ ہے' لیسٹر یونیورسٹی اور ایک دوسرے ادارے میں آر ایس ایس پر ریسرچ کے لئے مستقل ادارے قائم ہوئے ہیں' دو کتابیں شائع بھی ہو چکی ہیں' دونوں ہی کتابیں غیر مسلم دانشوروں کی تحریر کردہ ہیں' اب برطانیہ میں آر ایس ایس بحث کا موضوع بن گئی ہے' میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں بھی ایسا ہی کام ہونا چاہیے' ضروری ہے کیونکہ ابھی جب میں لکھنؤ گیا تھا تو وہاں علمائے کرام نے مجھے بتایا کہ اب اردو پڑھانے اور اسلام کی معلومات فراہم کرنے کے لئے آر ایس ایس والے بھی اسکول کھول کر بات کرنے لگے ہیں۔ اب آپ سمجھ لیں کہ وہ کس طرح کی اردو پڑھائیں گے اور کیسی اسلام کی معلومات دیں گے!

س: آپ اپنے فورم کے متعلق کچھ بتایئے۔ اس کے کیا کام ہیں؟

ج: ورلڈ اسلامک فورم کے دو ہی مقاصد ہیں' ایک تعلیم دوسرا میڈیا۔ تعلیمی میدان میں الحمدللہ ہم بے حد کامیاب رہے ہیں۔ کوئی سات سال قبل ناٹنگھم کے علاقے میں ایک ملین پاؤنڈ کی لاگت سے ہم نے زمین خریدی تھی۔ ۳۔۴ ملین پاؤنڈ خرچ کر کے ہم نے وہاں مسلمان بچیوں کے لئے تین سو کمروں کا ایک اسکول قائم کیا ہے' جہاں عصری اور دینی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہاں مرحوم مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی آئے تھے اور بڑی دعائیں دی تھیں۔ امسال پہلی بار بچیاں فارغ ہوئی ہیں اور یورپ بھر میں یہاں کے رزلٹ معیاری رہے ہیں۔ شیفیلڈ کے علاقے میں بچوں کے لئے جامعۃ الھدیٰ کے نام سے ایک اسکول ہم نے تعمیر کیا ہے' مولانا تقی عثمانی صاحب اس اسکول کا دورہ کر چکے ہیں' ان دونوں ہی تعلیمی اداروں کے سربراہ مولانا ضیاء الحق ہیں۔ لندن میں ہمارا ایک کالج ہے' ابراہیم کمیونٹی' مولانا مشفق اس

کے سربراہ ہیں۔ اس کالج میں ۱۹۔۲۰ سال کے بچوں کے لئے تین سالہ کورس ہے' اس کورس کے بعد بچے چاہیں تو جامعہ ازہر چلے جائیں یا مدینہ یونیورسٹی اور چاہیں تو برطانیہ کی ہی کسی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرلیں۔ اس طرح لیسٹر کے علاقے میں ''دارارقم'' کے نام سے ایک اسکول قائم کیا گیا ہے جس کے سربراہ مولانا فاروق محمد ہیں۔ پاکستان میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ہے' ہمارے ۶ ہزار بچوں نے وہاں کے مطالعہ اسلام کا مراسلاتی کورس کیا ہے' میڈیا کا جہاں تک سوال ہے تو مختلف اخبارات سے میں خود جڑا ہوا ہوں' ہمارا ایک ماہنامہ ''الشریعہ'' کے نام سے مسلسل نکل رہا ہے۔

س: اور سماجی و معاشرتی میدانوں میں؟

ج: ہم نے گجرات کے زلزلے اور فسادات کے دوران بھی بہت کام کیا ہے۔

س: کیا برطانیہ اور یورپ میں اصلاح معاشرہ کے لئے بھی کوئی سرگرمی ہے' ظاہر ہے کہ یورپ میں بے راہ روی اور فحاشی عام ہے اور جو مسلمان وہاں جاتے ہیں عموماً بگڑ جاتے ہیں؟

ج: ایسا نہیں ہے' برطانیہ میں جہاں بھی مسلمان بستے ہیں وہاں ان کے ثقافتی مراکز ہیں' مسجدیں ہیں' وہ اپنے رسالے نکالتے ہیں' اور میں یہ بتادوں کہ یہاں آنے والے مسلمانوں میں عموماً دینی شعور بیدار ہو جاتا ہے' دیکھا گیا ہے کہ لوگ زیادہ ہی دیندار ہو جاتے ہیں۔ مختلف جماعتیں بھی ہیں جو اپنے اپنے انداز میں کام کررہی ہیں۔ اصلاح معاشرہ پر بہرحال ہم توجہ دیتے ہیں' اس مقصد کے لئے سیمینار بھی ہوتے ہیں۔

س: یورپ میں آپ ایک طویل عرصے سے ہیں؟ آپ کی نظر میں آج کا اہم مسئلہ کیا ہے؟

ج: آج کا اہم مسئلہ اسلام اور مغرب کی کشمکش ہے' اسلام ایک نظریہ ہے اور قرآن پاک کے نزول کے بعد دنیا پر قرآن کا نظریہ ہے اور قرآن پاک کے نزول کے بعد دنیا پر قرآن کا نظریہ حاوی رہا ہے۔ اور ہمیشہ رہے گا۔ مثلاً قرآن پاک کہتا ہے کہ نظام ایک آدمی کی عقل پر نہیں قائم ہوگا بلکہ عقل اجتماعی پر قائم ہوگا ''خالق ایک ہے'' اب کوئی بھی شخص چاہے تین خدا کو مانتا ہو چاہے ۳۳ کروڑ کو' وہ جب ایک جگہ پہنچے گا تو اسے توحید کی بات تو کرنا ہی ہوگی' قرآن پاک کہتا ہے امرھم شوری بینھم جب مل کر بیٹھیں گے تو انہیں یہ بات تسلیم کرنا ہی ہوگی' انہیں جمہوریت اور شورائیت کی بات کرنا ہوگی۔ تو اسلام ایک نظریہ ہے اور مغرب صرف ایک طاقت ہے پاور ہے' مغرب کے پاس کوئی نظریہ' نظام حیات' اور انسانیت کے لئے کوئی پیغام نہیں ہے' صرف طاقت ہے اور من مانی ہے' میں بتادوں کہ تاریخ شاہد ہے کہ کوئی ایسی تلوار نہیں ہے جو نظریہ کو کاٹ دے۔

س: کوئی مثال ہے؟

ج: کئی مثالیں ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ کو لے لیجئے' آپؑ ایک نظریہ لے کر آئے تھے' اس نظریے کے خلاف فرعون اور ہامان تھے مگر وہ طاقتیں ختم ہوگئیں اور حضرت موسیٰؑ کا نظریہ قائم ہے' حضرت عیسیٰؑ نظریہ لے کر آئے ساری

طاقتوں نے اس کے خلاف زور لگا دیا مگر حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد وہ طاقتیں ختم ہو گئیں مگر حضرت عیسیٰؑ کا نظریہ ختم نہیں ہوا' تو نظریہ کو طاقت اور جبر سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ آج ہو یہ رہا ہے کہ مغرب نے نظریئے کو اپنا حریف قرار دے دیا ہے وہ نظریئے کو جبر سے ختم کرنا چاہتا ہے اور یہ ممکن نہیں ہے۔ نظریہ صرف اسی وقت ختم ہو سکتا ہے جب وہ غیر فطری ہو' اس میں باطنی طور پر خامی اور کمی ہو' یا پھر اس صورت میں کہ اس سے زیادہ بہتر کوئی نظریہ انسانیت کی بہتری کے لئے آ جائے۔

س: نظریئے کو جبراً ختم کرنے کے کیا اثرات پڑے ہیں؟

ج: دیکھئے پوری دنیا ایک گلوبل ولیج (Global Village) بن گئی تھی' دنیا کے تمام ممالک ایک رخ پر جا رہے تھے' دنیا کے تمام انسان ایک دوسرے سے اپنے تجربات کا تبادلہ کر رہے تھے' اور دنیا ایک سمت میں بڑھ رہی تھی کہ امریکہ نے صیہونیت کا آلہ کار بن کر دنیا کو ایک ہی جگہ پر روک کر رکھ دیا۔ امریکہ کی کوشش تھی کہ مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن جائیں۔ میرا سوال بڑا ہی سیدھا ہے' مغرب کو اس نے کیا فائدہ آج پہنچایا مستقبل میں کیا فائدہ پہنچے گا یا اس سے انسانیت کس طرح سے مستفیض ہو گی؟

س: گویا صورت حال خراب ہوئی ہے؟

ج: بالکل! ملٹی نیشنل کمپنیوں کا آج ساری دنیا پر قبضہ ہے۔ ۲۴ ہزار ٹریلین میں سے ۱۳ ہزار ٹریلین دولت کی مالک یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں ہی ہیں۔ یہ دنیا کے ۸۴ فیصد قدرتی وسائل پر قابض ہیں' اسلحہ اور تیل کی کمپنیاں سب سے زیادہ مالدار ہیں' یہ امریکہ کی تیل کی کمپنیاں ہی ہیں جن کے سربراہ ڈک چینی اور بش جیسے لوگ ہیں' جو دنیا کو کنٹرول کرنے کا منصوبہ تیار کرنے کے ذمہ دار ہیں' سچائی تو یہ ہے کہ آج انسانیت کے مسائل وہ نہیں ہیں جو میڈیا دکھا رہا ہے۔ کثیر تعداد میں لوگ پینے کے صاف پانی سے محروم ہیں' اناج اور مکان سے محروم ہیں' امریکہ میں ہی ساڑھے ۳ کروڑ افراد ایسے ہیں جنکے پاس نہ روٹی ہے نہ ہی مکان' تو امریکہ کا اصل مسئلہ صدام یا اسامہ نہیں ہیں' امریکہ کے مسائل تو اور ہی ہیں۔ روس کی مثال لیجئے۔ بڑی سنگین صورتحال ہے' اقتصادی تنگی کا یہ حال ہے کہ ایک شخص آج جوتا خرید لے تو کئی برس تک جوتا خریدنے کی سوچ نہیں سکتے۔ بچیاں عزت بیچ کر گھر چلاتی ہیں' وہاں اصل مسئلہ چیچنیا نہیں ہے' فرانس کا اصل مسئلہ حجاب نہیں' وہاں کے بوڑھے اور ضعیفوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے' ہندوستان میں ۴۰ لاکھ ایڈز کے مریض ہیں۔ لوگوں کے پاس چھت نہیں ہے' روٹی نہیں ہے' اصل مسئلہ مندر' مسجد نہیں ہے' تو آج انسانیت جو پریشان ہے' وہی اصل مسئلہ ہے' افسوس کہ ہم نے بھی اسے اپنی سوچ کے دائرے سے خارج کر دیا ہے' جب تک مسلمان ساری انسانیت کی بھلائی کی نہیں سوچے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہیں نازل ہوگی' رسول اکرم ﷺ نے سوشل ورک' تمام انسانوں تک اپنی بات پہنچانے' معاشرے کے بگاڑ کو دور کرنے پر زور دیا ہے' آپ ایک معلم تھے' آپؐ نے تعلیم پر زور دیا ہے' اس تعلیم پر جسے ''علم نافع'' کہا جاتا ہے۔ علم نافع (یعنی نفع دینے والا علم) سائنس کا بھی ہو سکتا ہے اور دینی تعلیم اگر انسانیت کی نفع کے لئے نہ ہو تو وہ علم نافع نہیں' ہم نے آج دنیا کو دو خانوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ (باقی صفحہ ۳۴ پر)

افکار و تاثرات

جناب عبدالمجیب
سابق مشیر حکومتِ سعودی عرب

رسول اکرمؐ کے خلاف جھوٹ کا پلندہ اور بہتانوں کا سنگین جرم

محترمی جناب مدیر الحق صاحب۔　السلام علیکم۔

آج آپ کی توجہ ایک انتہائی اہم مسئلے کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے آپ میری اس رائے کو من وعن شائع کریں گے۔

ماہنامہ ''روحانی ڈائجسٹ'' کراچی (اپریل ۲۰۰۵ء) کا شمارہ بطور ''فخر موجودات نمبر'' شائع ہوا ہے۔ اس کے صفحات ۴۱ تا ۶۰ پر ایک طویل مگر ناپاک مضمون بعنوان ''پیغمبر اسلام کا دارالامارات'' (از محمد ذیشان خان) شائع ہوا ہے۔ اس لمبی، زہریلی اور گندی تحریر کا نچوڑ یہ ہے کہ نبی کریمؐ بڑے شاہانہ و سرمایہ دارانہ ٹھاٹھ باٹھ اور نمود و نمائش کے ساتھ مسرفانہ زندگی بسر کرتے تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ خاتم النبیینؐ نعوذ باللہ قرآن مجید کی کھلی خلاف ورزیاں کر کے مسلسل اسراف کیا کرتے تھے۔ یعنی ان کی سنت و سیرت نعوذ باللہ سادہ اور صاف ستھری نہ تھی بلکہ تصنع اور تعیش والی تھی۔ بالفاظ دیگر محمدؐ رسول اللہؐ (مبلغ قرآن) کا اُسوہ عکس قرآن نہ تھا بلکہ برعکس قرآن تھا۔ استغفر اللہ ولعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ ذلالت و خباثت اور غلاظت سے بھرا یہ مضمون قطعاً اور یقیناً قانونِ توہین رسالت کی زد میں آتا ہا لہٰذا قانوناً کڑی سزا کا متقاضی ہے یعنی سزا برائے مضمون نگار (محمد ذیشان خان)، ایڈیٹر (وقار یوسف عظیمی) اور چیف ایڈیٹر (خواجہ شمس الدین عظیمی)

اب مذکورہ نجس مضمون کا جوہری خلاصہ پیش کیا جاتا ہے جس میں بیشتر الفاظ میں متنِ مضمون ہی سے لئے گئے ہیں۔ لیکن پہلے مضمون نگار کی نیتِ بد اور جہالت کے صرف ایک نمونہ کی نشاندہی ضروری ہے، اس جاہل نے ہر جگہ (عنوان سے لے کر اختتام مضمون تک) عربی لفظ ''دار'' کے معنی ''محل'' بتایا ہے، حالانکہ ''دار'' کے معنی ''مکان'' ہوتا ہے ''محل'' نہیں۔ محل کے لئے تو عربی لفظ ''قصر'' ہوتا ہے نہ کہ ''دار''۔ اس شیطانی گھپلے کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب ملاحظہ کریں اس کی ابلیسی تحریر کی بکواسیات و خرافات کے صرف چند نکات کا خلاصہ:

۱۔　رسول اکرمؐ نے مدینہ میں اپنا پہلا قیام ابوایوب انصاریؓ کے دو (۲) منزلہ ''محل'' میں کیا تھا جو شاہ تبع کا محل

تھا۔(یعنی مضمون کا سب سے پہلا نکتہ ہی جھوٹ کا شاہکار ہے)

۲۔ اُس ''محل'' کے پاس والی زمین پر نبی کریمؐ نے ''دارالامارات'' / جی۔ایچ۔کیو' بنایا (کتنی چالاکی سے مسجدِ نبوی کا نام بھی تبدیل کر دیا)

۳۔ مسجد نبوی کے اردگرد تمم محل ازدواج مطہراتؓ کے لئے مخصوص ہو گئے تھے۔ان محلات کے علاوہ بھی رسول اکرمؐ کے دیگر محلات بھی تھے جن کی تعداد بارہ (۱۲) تھی اور رسولؐ کے تمام ہی محلوں میں باغات بھی تھے۔(مطلب یہ محمدؐ کا رہن سہن بھی دنیادار بادشاہوں کی طرح ہی تھا۔نعوذ باللہ)

۴۔ نبی کریمؐ کی ملکیت میں ایسی وسیع وعریض اراضی بھی تھی جس میں سات (۷) چاردیواریوں کے اندر سات (۷) باغات تھے اوران باغات کے اندر کئی کئی منزلہ سات (۷) بڑی بڑی حویلیاں تھیں۔(مطلب یہ ہوا کہ محمدؐ وقت کے سب سے بڑے جاگیردار اور سرمایہ دار تھے)

۵۔ خیبر اور فدک کے باغات بھی رسول اللہ کی ملکیت میں تھے۔(یعنی محمدؐ صرف بڑے جاگیردار اور سرمایہ دار ہی نہ تھے' بڑے زمیندار بھی تو تھے۔استغفر اللہ)

۶۔ نبی کریمؐ کی کچھ اراضی معدنی وسائل سے بھی مالا مال تھی جن میں ایک سونے کی کان بھی تھی (یعنی ذاتی زمینداری' سرمایہ داری اور جاگیرداری کی کوئی حد ہی نہ تھی)

۷۔ رسول اکرمؐ نہایت شاہانہ اور قیمتی لباس پہنتے تھے۔ان کے صرف ایک جوڑا لباس کی قیمت ساڑھے سات (۷ ۱/۲) کروڑ روپے کے برابر تھی۔(اسے تُہمت اور بُہتان کا پہاڑ کہتے ہیں)

۸۔ خاتم النبینؐ نے خالص ریشم سے تیار شدہ جبّہ (اوورکوٹ) بھی زیب تن کیا تھا (حالانکہ ریشم تو مردوں پر حرام ہوتی ہے)

۹۔ نبی کریمؐ نے ایک سونے کی انگوٹھی بھی خاص طور پر بنوائی تھی اور پہنی بھی تھی۔(یعنی ایک اور حرامکاری کی تھی۔نعوذ باللہ)

۱۰۔ رسول اکرمؐ کے پاس ایک چمڑے کا بیلٹ ایسا بھی تھا جس یں چاندی کی کڑیاں لگی ہوئی تھیں (بالفاظ دیگر محمدؐ سونے اور چاندی کے استعمال کے بڑے حریص تھے)

۱۱۔ خاتم النبینؐ کے محل میں متعدد کھانے کے برتنوں میں ایک طشت بڑا دیگ ایسا بھی تھا جس پر تین (۳) چاندی کے کڑے لگے ہوئے تھے اور جسکی قیمت اسوقت چار (۴) لاکھ درہم تھی (برابر کروڑوں روپے کی تھی۔اللہ اللہ!)

۱۲۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہؐ نے جو تلوار باندھی ہوئی تھی' اس پر سونے اور چاندی کا کام کیا ہوا تھا (جھوٹ کی انتہا ہے)

۱۳۔ رسول اکرمؐ کے پاس متعدد ذرہ تھیں جن میں سے ایک ایسی بھی تھی جس کے حلقے چاندی کے تھے) مطلب یہ کہ محمدؐ تو بس سونے، چاندی اور ریشم کے رسیا تھے)

۱۴۔ نبی کریمؐ مختلف ڈیزائن کے چمڑے کے جوتے استعمال کیا کرتے تھے (یعنی یہ استعمال سونے، چاندی اور ریم کے استعمال کا تکملہ تھا)

۱۵۔ خاتم النبیینؐ کے اصطبل میں پندرہ (۱۵) گھوڑے، چار (۴۰) سواری والی اونٹیاں، بیس (۲۰) دودھ والی اونٹیاں، سو (۱۰۰) بکریاں، دو (۲) خچر اور ایک گدھا تھے۔ ان میں سے ایک اونٹنی ایسی بھی تھی جی کی قیمت ایک کروڑ روپے کے برابر تھی۔ (اس عیاشی کا تو جواب ہی نہ تھا۔ نعوذ باللہ)

۱۶۔ نبی کریمؐ کے پاس نقیع کے مقام پر ایک وسیع اور عریض اراضی تھی جو صرف چراگاہ کے طور پر مخصوص تھی (یعنی وڈیرہ شاہی کے لئے تو ایسا ہونا ہی تھا۔

۱۷۔ رسول اکرمؐ کے پاس کچھ شکاری کتے بھی تھے، جن میں سے ایک کتا رسول اللہ ﷺ کی کرسی کے نیچا بھی بیٹھا کرتا تھا۔ (استغفر اللہ)

۱۸۔ رسول اللہؐ کے کھیتوں اور باغات سے کئی ٹن اناج (غلہ) اور میوہ آتا رہتا تھا (محمدؐ بڑے وڈیرے جو تھے۔ معاذ اللہ)

۱۹۔ خاتم النبیینؐ اور ان کی ازدواج مطہراتؓ کے لئے ذاتی نوکروں (خادموں) کی کل تعداد دو سو سات (۲۰۷) بنتی تھی۔ ان میں مرد بھی تھے اور خواتین بھی تھیں اور ان میں ایک یہودی بھی تھا اور ایک پارسی بھی تھا (مطلب یہ کہ محمدؐ آستین میں سانپ بھی پالا کرتے تھے)

۲۰۔ ضرورت زندگی کے لئے ازدواج مطہراتؓ کو جو چیزیں ملتی تھیں ان کی سالانہ مالیت آج کے حساب سے ہر ایک زوجہؓ کے لئے چار لاکھ اٹھارہ ہزار روپے ہوتی تھی۔ (بادشاہ وقت کی ہر ایک زوجہ ملکہ ہی تو تھی)

۲۱۔ رسول اکرمؐ اپنی تمام صاحبزادیوں کے لئے نرم و ملائم اور ریشمی لباس بنوا کر دیا کرتے تھے (یعنی وہ شاہ کی شہزادیاں جو تھیں)

۲۲۔ خاتم النبیینؐ کے مرکزی محل کو ''ایوان صدر'' کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ محل محض نام کا محل نہیں تھا اور نہ ہی کوئی فقر و فاقہ کا مسکن تھا۔ یہ محل تو کئی منزلہ محل تھا جہاں بیک وقت درجنوں خدام اور خادمائیں مختلف کاموں میں مصروف عمل رہتے تھے (مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ گا یہ ''ایوان صدر'' نعوذ باللہ دنیا پرستی کا شاہکار عظیم تھا سبحان اللہ و نعوذ باللہ۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین!)

درج بالا محض ان چند نکات کا خلاصہ ہے، محولہ بالا مضمون کا جو ماہنامہ ''روحانی ڈائجسٹ'' کراچی (اپریل ۲۰۰۵ء) میں شائع ہوا ہے ورنہ اس میں تو بہت کچھ اور بھی اول فول ہے۔ تاہم اس مختصر خلاصے سے بھی وہ غلاظت ابل پڑتی ہے جو تین بدروحوں (قلم کار، ایڈیٹر اور چیف ایڈیٹر) نے ملی بھگت سے نبی و رسول آخرالزماںؐ کے اجلے دامن پر

اگل دی ہے۔لہذا اغلاظت کی مکمل صفائی کے لئے اب لازم ہے کہ اس صریح توہین رسالتؐ کا ازلہ فوراً بذریعہ قانون توہین رسالت کرایا جائے۔عوام ہوں یا خواص' افراد ابلاغ عامہ ہوں یا اصحابِ تعلیم' اہل دین و دانش ہوں یا حکمرانِ پاکستان اور ماہرین قانون ہوں یا منصفین عدلیہ' غرضیکہ ہر امتی محمدؐ اپنے اپنے دائرہ' عمل میں مذکورہ عیارانہ' ظالمانہ اور گھناؤنے جرم کی پاداش میں تینوں مجرموں (محمد ذیشان خان' وقار یوسف عظیمی اور خواجہ شمس الدین عظیمی) کو قانوناً کڑی سزا دلوانے کے لئے بلا تاخیر قدم بڑھائیں۔اس کے علاوہ ''روحانی ڈائجسٹ'' کو بھی ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جائے۔

آخر میں وفاداران محمدؐ کی یاد دہانی کے لئے بزبانِ اقبال اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی حاضر ہے۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

بقیہ صفحہ ۲۹ سے

اسلام ایک نظریہ ہے اور مغرب صرف ایک طاقت

اسلام میں یہ تفریق نہیں ہے' میڈیکل' طب اور عصری علوم بھی علم نافع ہو سکتے ہیں' میرا تو کہنا ہے کہ آج دینی ماحول میں انگریزی میڈیم کے اسکولوں کی سخت ضرورت ہے' ورنہ ہمارے گھروں سے ارتداد شروع ہو جائیگا۔

س: ۱۱ ستمبر کے بعد برطانیہ کے مسلمانوں کے ساتھ وہاں کی عوام کا کیا رویہ رہا ہے؟

ج: الحمدللہ بہت ہی مثبت رویہ رہا ہے۔میڈیا نے بھی اور چرچ نے بھی امریکی پکڑ دھکڑ کی مذمت کی۔لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے' اسلام کے تعلق سے کتابیں پڑھنے کا چلن بڑھا' اور بہت سے اسلام کے دائرے میں بھی آئے

س: ایک سوال ہندوستان کے تعلق سے۔ بہت سے مسلمان بی جے پی میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں' کیا یہ درست عمل ہے؟

ج: میں محسوس کرتا ہوں کہ جو سیکولر کہلاتا ہے وہ صحیح معنوں میں سیکولر نہیں ہے اندر سے کمیونل ہے' ہم کسی کے غلام تو نہیں ہیں۔مایاوتی' جارج فرنانڈیز کو ہم چن کر لاتے ہیں وہ بی جے پی سے ہاتھ ملا لیتے ہیں۔ملائم سنگھ کو چن کر لائے وہ بھی تقریباً بی جے پی کے ساتھ ہیں تو پھر مسلمان ڈائریکٹ کیوں نہ بی جے پی سے بات کرے۔ہم کسی کے غلام تو ہیں نہیں' میرے نزدیک اگر کوئی مسلمان بی جے پی میں جا رہا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' ہاں مگر افراد نہیں مسلمان من حیث القوم جائیں اور برابر کی سطح پر بات کر کے جائیں' ایک بات میں اور کہہ دوں کیونکہ یہ الیکشن کا دور ہے۔مسلمان ووٹنگ بہت کم کرتے ہیں' ہمارے لئے شرعاً ووٹ ڈالنا واجب اور فرض ہے۔۵ سال میں ہمیں ایک بار یہ موقع ملتا ہے کہ ہم اپنے وزن کا احساس دلائیں ہمیں ووٹنگ کرنا چاہیئے چاہے جس کے لئے بھی ہو' یہ ہمارا حق ہے' ہمیں اپنے پورے شعور اور ادراک کے ساتھ اس حق کا استعمال کرنا چاہیے۔

مولانا قاری سعید الرحمٰن
رئیس الجامعہ الاسلامیہ راولپنڈی

علاقہ چھچھ کے ایک ولی کامل

(تیرہویں صدی ہجری میں حاجی امداد اللہؒ کے دادا پیر کے ساتھی اخوند جان محمدؒ کا تذکرہ)

علاقہ چھچھ روحانی طور پر بھی زرخیز علاقہ ہے اور ظاہری طور پر بھی سرسبز و شاداب خطہ' ہر دور میں علماء و صلحاء کا مرکز رہا ہے۔ کبائر علماء یہاں پیدا ہوتے رہے ہیں اور دینی و روحانی خدمات کی وجہ سے معروف رہے ہیں۔ ماضی قریب میں حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتویؒ اور شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ کے اسماء گرامی پورے برصغیر اور علمی حلقہ میں نمایاں ہیں علاوہ ازیں مولانا عبدالحنان صاحب مہاجر مدنیؒ (تاجک) شیخ الحدیث مولانا عبدالقدیر صاحبؒ (مومن پور) شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ (دریا) مولانا عبدالعزیز صاحبؒ (دامان) مولانا عبدالدیان صاحبؒ (دامان) مولانا غلام ربانیؒ (بہبودی) مولانا حبیب الرحمان ناظمؒ (ویسہ) مولانا عبدالحکیم صاحبؒ (حیدر) یہ حضرات مختلف علمی میدانوں میں کارہائے انجام دے چکے ہیں۔ حمید بھی اس علاقہ میں ایک اہم علمی گاؤں ہے۔ یہاں ماضی قریب میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب حمیدی بزرگ گزرے ہیں جن کا خاندان علمی و دینی طور پر معروف ہے اور علاقہ میں ان کی علمی و روحانی شہریت عوام و روحانی شہرت عوام و خواص میں معروف ہے یہ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے متعلقین میں سے تھے اور حضرت مرحوم ان کی وجہ سے حمید تشریف لائے تھے ان کے بیٹے مولانا محمد حسن صاحب ایک عالم دین تھے ان کے بیٹے حافظ محمد مشتاق صاحب مرحوم قاری عبدالسلام مرحوم اور ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب ہیں۔ مولانا حبیب الرحمان صاحب خطیب جامع مسجد کیلیانوالی راولپنڈی' مولانا غلام مصطفیٰ صاحب اور مولانا غلام مرتضیٰ صاحب لاہور بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

آج سے ڈیڑھ دو سو سال قبل چھچھ اور ہزارہ اپنے جغرافیائی قرب' تہذیب و تمدن میں یکسانیت زبان کی وحدت اور علمی و روحانی ہم آہنگی کی وجہ سے سیاسی اور حکومتی اور انتظامی طور پر بھی ایک تھے اس لئے جب اس علاقہ کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جاتی تو چھچھ ہزارہ کہا جاتا' پرانے مال کے کاغذات میں بھی ایسا ہی اندراج ہے۔

رسالہ ''الفرقان'' جو حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ کی ادارت میں لکھنؤ (انڈیا) ۱۳۵۳ء سے نکل رہا ہے اپنے مضامین اور علمی خدمات کی وجہ سے علمی و دینی حلقہ میں ایک وقیع حیثیت رکھتا ہے عرصہ ہوا مولانا نسیم احمد

فریدی امروہی کا سلسلہ مضامین ''قافلہ اہل دل'' کے عنوان سے کئی اقساط میں شائع ہوا۔ اس میں تذکرہ خلفاء حضرت شاہ غلام علی مجددی دھلویؒ کے ضمن میں رسالہ الفرقان نومبر ۱۹۷۶ء میں ایک بزرگ کا ذکر فرمایا ''مولانا اخوند جان محمد ہزاروی'' الفرقان میں ان کے بارے میں یہ مضمون لکھا کہ '' آپ کے والد کا نام خان بہادر تھا' آپ کے دوسرے بھائی کا نام خان محمد تھا' جن کے صاحبزادے مدرسہ انبالہ میں مدرس تھے۔ اخوند جان محمد موضع حمید علاقہ چھچھ ہزارہ[1] کے باشندے تھے۔ طلبِ حق اور تلاش مرشد میں سفر کرتے تھے۔ آخر کار حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی شہید (متوفی ۱۲۴۶ھ) کے ہمراہ ہندوستان آئے اور مشائخ وفقرائے عصر سے ملاقات کرتے ہوئے دونوں حضرت شاہ عبدالباری صدیقی چشتی امروہیؒ کی خدمت اقدس میں امروہہ حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ عبدالباریؒ نے ان دونوں کے حالات کا مشاہدہ فرما کر شاہ عبدالرحیم صحب کو اپنی خدمت میں رکھا اور بیعت کیا۔ اور اخوند جان محمد صاحب کو مشورہ دیا کہ ان کو حضرت شاہ غلام علیؒ سے تعلق پیدا کرنا چاہیے۔ بالآخر حضرت شاہ عبدالرحیمؒ حضرت شاہ عبدالباری کی خدمت اقدس میں رہ کر مستفیض ہوئے اور پورا سلوک طے کر کے ان کے خلیفہ ہوئے اور اخوند جان محمد حضرت شاہ غلام علیؒ کے مجاز ہوئے اور لوہاری ضلع مظفر نگر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہیں ۱۲۵۳ء میں انتقال ہوا۔ ۹۶ سال کی عمر پائی اور متصل مسجد عیسیٰ شاہ بیر کے درخت کے نیچے ایک گوشہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے شاہ عبدالعلیم تھے جو نقشبندی سلسلے میں حضرت شاہ غلام علیؒ سے بیعت ہوئے تھے۔ مدتوں خانقاہ میں رہے مگر بعد کو شاہ احسان علی صاحبؒ قادری پاکپٹنی سے سلسلہ قادریہ میں مرید ہو گئے تھے اور ان سے خلافت پائی تھی۔ ان شاہ عبدالعلیمؒ کے خلیفہ مولانا نصر اللہ خان خویشگی خورجوی مؤلف تاریخ دکن تھے اور ان کے خلیفہ مولوی فرید احمد غازی پوریؒ مولف درفرید تھے۔ درفرید میں اخوند جان محمدؒ اور ان کے صاحبزادے کے حالات تفصیل سے درج ہیں۔

علاوہ ازیں مرقومات امدادیہ جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے مکتوبات کا مجموعہ ہے جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ کے افادات کے ساتھ شائع ہوئے ہیں۔ ان پر ڈاکٹر نثار احمد فاروقی استاد شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی نے مقدمہ جدید تحریر فرمایا ہے۔

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ایک مورخ' ادیب' نقاد' اور تاریخ وتصوف کے محقق مصنف تھے' ہندوستان کے مشہور علمی ودینی رسالہ ''تعمیر حیات'' کے شمارہ ۱۰' دسمبر ۲۰۰۴ء شوال ۱۴۲۵ھ میں مرحوم کی وفات کی اطلاع کے ساتھ مندرجہ الفاظ میں مرحوم کا ذکر ہے۔ جو مرحوم کی ثقافت اور علمی شناخت کے لئے کافی ہیں۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی برصغیر ہندو پاک کے ممتاز محقق و دانشور گزشتہ ماہ نومبر ۲۰۰۴ کو دہلی میں مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ حضرت مولانا نسیم احمد صاحب فریدی کے بھتیجا اور دست راست ہونے کے ساتھ عربی' فارسی و اردو کے نامور ادیب ونقاد اور تاریخ وتصوف کے محقق ومنصف تھے۔ ''ثقافۃ الھند'' جو حکومت ہند کا عربی ترجمان ہے

کے ایک عرصہ تک ایڈیٹر بھی رہے۔ اور اس کے ذریعہ سے عالم عرب میں ہندوستانی علماء وشخصیات کا تعارف کرانے اور یہاں کی علمی وثقافتی سرگرمیوں وخدمات سے واقف کرنے کا کام انجام دیا۔ رابطہ ادب اسلامی عالمی کے سیمیناروں میں شرکت بھی کیا کرتے تھے اور اسکے کسی سیشن کی صدارت کی ذمہ داری بھی انجام دیتے تھے۔ رابطہ ادب اسلامی کے دارالمصنفین اعظم گڑھ میں منعقدہ سیمینار میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنا وقیع مقالہ آپ ہی کی صدارت کے سیشن میں پیش کیا تھا۔ حضرت مولانا سے آپ کو والہانہ لگاؤ اور تعلق اور حد درجہ عقیدت تھی موصوف حضرت مولانا کی شخصیت پر ایک بین الاقوامی سیمینار کا ارادہ بھی رکھتے تھے جو پورا نہ ہوسکا۔ ان کی تصنیفات کے ذخیرہ میں اردو ادب، تصوف اور دینی وروحانی شخصیات سے متعلق کتب زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔ خصوصیت سے مشائخ چشت پر ان کا بڑا گراں قدر کام ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔''

رسالہ الفرقان میں اخوند جان محمد صاحبؒ کا ذکر مولانا نسیم احمد فریدی صاحبؒ کے قلم سے تھا اور مرقومات امدادیہ کے مقدمہ میں آپ کے بھتیجے ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کے قلم سے ان کا ذکر ہے۔ ذیل میں ان کے قلم سے لکھے ہوئے مضمون سے اخوند جان محمد صاحبؒ کا تذکرہ نقل کیا جارہا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملا اخوند جان محمد صاحبؒ علاقہ چھچھ کے گاؤں حمید سے نکل کر وہ اور ان کے بیٹے اللہ داد یعنی شاہ عبدالعلیم ہندوستان کے خانقاہوں میں پہنچ کر مشائخ چشت کے سلسلۃ الذھب میں شمار ہوئے۔

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے بارے میں تحریر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے ابتداء میں شاہ نصیر الدین دہلوی سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی تھی۔ شیخ نصیر الدین دہلوی حضرت شاہ محمد آفاق مجددی کے خلیفہ ومرید تھے اور مولانا شاہ محمد اسحاق مہاجر دھلوی کے شاگرد و داماد تھے۔ ان سے کچھ اذکار طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کے اخذ کئے۔ امداد المشتاق (تصنیف مولانا اشرف علی تھانویؒ) کی روایت ہے کہ خرقہ واجازت سے مشرف ہوئے لیکن یہ استفادہ زیادہ مدت تک جاری نہ رہا' اس زمانہ میں آپ نے خواب دیکھا کہ حضور سرور ﷺ کی مجلس مبارک میں حاضر ہیں مگر اتنا رعب طاری ہے کہ قدم آگے نہیں بڑھتا۔ اچانک آپ کے جد امجد حافظ محمد تشریف لائے اور انہوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر حضور اکرمؐ کے دست مبارک میں دے دیا۔ اس وقت ہادی اعظم مرشد اتم ﷺ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر میاں جی نور محمد جھنجھانوی کے ہاتھ میں ملا دیا۔ آپ نے اس خواب سے پہلے کبھی میاں جیؒ کو دیکھا نہیں تھا۔ بیدار ہوکر بہت سرگرداں رہے کہ یہ کون بزرگ تھے جن سے بیعت کرنے کی ہدایت رسالت مآب ﷺ (روحی فداہ) نے فرمائی۔ یہ عالم کئی سال تک رہا۔ ایک دن مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادی جن سے حاجی صاحبؒ نے حصن حصین کا درس بھی لیا تھا۔ خود ہی فرمانے لگے تم پریشان کیوں ہوتے ہو یہاں سے قریب ہی قصبہ لوہاری میں میاں جی نور محمد موجود ہیں ان سے تمہارا مقصود حاصل ہوگا'' آپ نے سواری کے انتظام کا بھی انتظار نہیں کیا اور سخت گرمی میں

تھانہ بھون سے قصبہ لوہاری پہنچ گئے۔

پیادہ روی کی زیادہ عادت نہیں تھی پیروں میں آبلے پڑ گئے۔ لوہاری مظفر نگر کے ضلع میں ایک چھوٹی سی بستی ہے، اس کی ایک مسجد میں میاں جی نور محمدؒ نماز پڑھاتے تھے اور خالی اوقات میں بچوں کو درس دیا کرتے تھے۔ دیکھنے میں بالکل سادہ اور قصباتی وضع کے انسان، مگر اپنے وقت کے بہت بڑے باکمال بزرگ تھے۔ آپ نے حضرت سید احمد شہید رائے بریلی سے بیعت جہاد کی تھی اور سلسلہ چشتیہ میں حضرت سید عبدالرحیم ولایتی فاطمی شہید قدس اللہ سرہ العزیز سے خلافت واجازت رکھتے تھے۔

حضرت سید عبدالرحیم ولایتی علاقہ روہ افغانستان کے رہنے والے تھے اور ان کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا کہ انہوں نے ایک بار خواب میں حضور اکرم کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ دے دیا اس خواب سے حضرت سید عبدالرحیم ولایتی نے یہ تعبیر لی کہ مجھے ان بزرگ سے بیعت کا حکم ہوا ہے۔ چنانچہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس مرشد کی تلاش میں نکل پڑے۔ اس سفر میں ایک اور ساتھی اخوند جان محمد بھی آپ کے ساتھ شریک ہوگئے۔ افغانستان سے نکل کر سرحد کی خانقاہوں کو دیکھا۔ وہاں سے پنجاب آئے۔ پھر سہارنپور، انبالہ، ساڈھورہ، مظفر نگر وغیرہ کے روحانی مراکز کو دیکھتے ہوئے امروھہ (ضلع مراد آباد) پہنچے۔ یہاں حضرت شہسوار میدان آزادی بندگی شاہ عبدالہادی چشتی متوکل امروھوی قدس اللہ سرہ کی خانقاہ محلہ قریشیاں میں واقع تھی اور اس وقت چشتی نسبت کا سب سے بڑا مرکزِ فیض بنی ہوئی تھی۔ حضرت شاہ عبدالہادی چشتی (متوفی ۴/ رمضان ۱۱۹۰) کا تو انتقال ہو چکا تھا ان کے سجادہ نشین اور پوتے حضرت قیوم زمانی، شاہ عبدالباری چشتی (متوفی ۱۱ شعبان ۱۲۲۶ھ) صدر حیات میں تھے ان سے ملاقات ہوئی تو وہ عصر کی نماز پڑھا کر خانقاہ کی مسجد سے برآمد ہو رہے تھے، حضرت شاہ عبدالرحیم فاطمیؒ نے جیسے ہی آپ کے روئے مبارک پر نگاہ ڈالی تو اپنے خواب کی تعبیر کو مجسم دیکھ لیا اور سفر کی تھکان بھول گئے۔ حضرت شاہ عبدالباری چشتی طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں (متوفی ۱۱۹۵ھ) سے خلافت رکھتے تھے اور ان کی طرح بہت نفیس طبع بزرگ تھے۔ گندمی رنگ، بھرا ہوا پرنور چہرہ، مسکراتے ہوئے لب جن سے پانوں کی سرخی جھلکتی تھی بہت نازک تن زیب کا سفید کرتہ، سفید لٹھے کا پاجامہ عطر میں لباس بسا ہوا کندھے پر چارخانے کا رومال پڑا ہوا۔ رہن سہن میں بھی بہت سلیقہ اور نفاست جھلکتی تھی۔ یہ کیفیت دیکھ کر اخوند جان محمد کے دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ ''یہ تو درویش سے زیادہ کوئی رئیس آدمی معلوم ہوتے ہیں عطر و پان کا بھی ذوق رکھتے ہیں'' دونوں مہمان تین دن تک خانقاہ میں رہے۔ خانقاہ سے بالکل متصل مسجد تھی (جو آج بھی موجود ہے) پانچوں وقت حضرت شاہ عبدالباریؒ نماز پڑھانے مسجد میں تشریف لاتے تھے لیکن ابھی تک دونوں مسافروں کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی تھی تیسرے دن آپ بعد نماز ظہر مثنوی مولانا روم کا مطالعہ کر رہے تھے اس وقت کسی خادم سے فرمایا کہ ''جاؤ

اخوند جی سے کہ دو تمہارا حصہ حضرت شاہ غلام علی دھلوی متوفی (۱۸۲۴ء۔۱۲۴۰ھ) کے ہاں ہے اور سید عبد الرحیم فاطمی کو میرے پاس بلا لاؤ''

پھر نماز عصر کے بعد حضرت سید عبد الرحیم کو ساتھ لے کر اپنے جد امجد حضرت شاہ عبد الہادی چشتیؒ کی درگاہ میں تشریف لے گئے وہاں بیعت فرمائی۔

اخوند جان محمد [۲] موضع حمید علاقہ چھچھ ضلع ہزارہ صوبہ سرحد پاکستان (حال ضلع اٹک صوبہ پنجاب پاکستان) کے رہنے والے تھے۔ ان کا خاندان نورزئی یا آسمان خیل کہلاتا ہے۔ لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ علوی سید تھے ان کے والد [۳] خان بہادر تھا' اخوند جان محمد کے فرزند شاہ عبد العلیم قادری تھے جو بھوپال میں مدفون ہیں اور نصر اللہ خویشگی خورجوی کے پیرو مرشد ہیں [۴]۔ مؤخر الذکر نے اپنی کتاب دلکشا میں لکھا ہے کہ یہ ہدایت لے کر اخوند جان محمد امروہہ سے رخصت ہوئے اور قلعہ غوث گڑھ پہنچ کر نواب ضابطہ خان (فرزند نواب نجیب الدولہ) کے ملازم ہوئے۔ جب مرہٹوں نے ضابطہ خان کو شکست دے کر قلعہ غوث گڑھ کو تاخت و تاراج کیا تو اخوند صاحب وہاں سے نکل کر لوہاری ضلع مظفر نگر آ گئے یہاں نورنگ نامی ایک افغان رہتا تھا' اس کو فقراء سے بہت عقیدت تھی اور وہ صاحب حیثیت رئیس تھا اس نے ایک مکان اخوند صاحب کے لئے نذر کیا اس طرح آپ لوہاری میں سکونت پذیر ہو گئے' حضرت شاہ عبد الرحیم فاطمی نے زندگی بھر کیلئے اپنے مرشد حضرت شاہ عبد الباری چشتیؒ کے قدم پکڑ لئے تھے وہ امروہہ میں مقیم رہے مگر اپنے پرانے ساتھی اخوند جان محمد صاحب سے ملاقات کیلئے کبھی کبھی لوہاری جایا کرتے تھے۔ ساڈھورہ' انبالہ' مظفر نگر وغیرہ کی طرف انکے مریدوں کی کافی تعداد تھی۔ یہی سبب ہوا کہ میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ نے آپ سے بیعت فرمائی۔

اخوند جان محمد صاحبؒ نے لوہاری میں سکونت اختیار کرنے کے بعد نکاح کیا۔ آپ کی اہلیہ بی بی مراد فتح پور ہوہ یا مؤ فرخ آباد کی رہنے والی تھی۔ ان کے بطن سے ایک دختر [۵] اور ایک فرزند پیدا ہوا بیٹے کا نام [۶] الہٰ داد رکھا گیا بعد کو حضرت شاہ غلام دھلوی کے ایک مرید شیخ خلیل الرحمان نے (جو خانقاہ کے منتظم بھی تھے) آپ کا نام بدل کر عبد العلیم رکھ دیا تھا۔ یہ بھی ایک کرامت تھی کیونکہ کئی سال بعد الہٰ داد خان نامی افغان کے ہاتھوں شیخ خلیل الرحمان شہید ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ نہیں چاہا کہ میرے دوست کا نام میرے قاتل کے نام سے مشابہہ ہو' یہ شیخ عبد العلیم قادری دہلی میں تحصیل علم کرتے رہے چونکہ لوہاری وطن تھا ماں باپ اور بہن وہیں مقیم تھے اس لئے لوہاری آنا جانا رہتا تھا۔ یہاں میاں جی نور محمد جھنجھانوی سے دوستی ہو گئی تھی ایک بار لوہاری میں یہ مشہور ہوا کہ قصبہ جلال آباد (ضلع مظفر نگر) میں (جو لوہاری سے تین کوس [۷] کے فاصلے پر ہے) ایک بڑی قوی تاثیر والے بزرگ آئے ہوئے ہیں جس کی طرف دیکھ لیتے ہیں وہ بے خود ہو جاتا ہے کوئی ان کی توجہ کا متحمل نہیں ہو سکتا' شیخ عبد العلیم قادری نے میاں جی نور محمد سے صلاح کی کہ ان بزرگ کی زیارت کے لئے جانا چاہیے۔ چنانچہ ایک دن مغرب کی نماز پڑھ کر دونوں روانہ ہوئے۔ اور عشاء

سے پہلے جلال آباد پہنچ گئے۔ یہاں پر احسان علی شاہ اپنا حلقہ بنائے ہوئے بیٹھے تھے یہ سلسلہ آبادانیہ قادریہ میں بیعت واجازت رکھتے تھے اور پاک پتن کے رہنے والے تھے ان کے مرشد کا نام شاہ آبادانی سیالکوٹی تھا۔ نواب امجد علی خان ...ٹی شاہ انبالوی ان کے پیر بھائی تھے۔ انہوں نے توجہ ڈالی تو میاں جی مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے پھر دونوں حضرات جلال آباد جایا کرتے اور ان کے حلقہ میں بیٹھ کر توجہ لیتے۔ تو میاں جی نور محمد جھنجانوی نے ان سے بیعت بھی کرلی تھی۔ احسان علی شاہ صاحب کا مزار انبالہ میں ہے۔ ان کا انتقال اسی سال ہوا تھا جب حضرت سید احمد شہیدؒ کا قافلہ سہارنپور پہنچا۔ اس قافلہ میں شاہ عبدالحلیم قادری (ابن اخوند جان محمدؒ) اور شاہ عبدالرحیم فاطمی بھی شامل تھے۔ میاں جی نور محمد جھنجانویؒ نے احسان علی شاہؒ سے بیعت کرلی تھی مگر اجازت وخلافت نہیں ملی تھی اور اس کا سبب غالباً یہ تھا کہ وہ شاہ عبدالعلیم (سکنہ حمید) کے ساتھ لکھنو چلے گئے تھے، جنہیں احسان علی شاہ صاحبؒ نے اس لئے بھیجا تھا کہ وہاں نواب امجد علی خان کی صحبت سے فیض حاصل کریں۔ اسی دوران احسان علی شاہ صاحبؒ کا انتقال ہوگیا تھا (۸) لیکن شاہ عبدالعلیم قادری نے ان سے بیعت کر کے خلافت حاصل کی تھی۔ (۹)

بہرحال میاں جی نور محمد جھنجانوی نے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں حضرت سید عبدالرحیم فاطمی ولایتی شہیدؒ سے بیعت کی (جو اخوند جان محمدؒ (سکنہ حمید علاقہ چھچھ کے ساتھی تھے) اور خرقہ اجازت وخلافت حاصل کیا۔ حضرت شاہ عبدالباری چشتی امروہوی قدس اللہ سرہ العزیز کا انتقال ۱۱/ شعبان ۱۲۲۶ھ مطابق ۳۱ اگست ۱۸۱۱ء کو ہوا اور ان کے فرزند اکبر حضرت شاہ رحمان بخش سجادہ نشین ہوئے۔ ان کی عمر اس وقت تقریباً بیس سال تھی اور سلوک کی تکمیل نہیں ہوئی تھی۔ شاہ عبدالباری کے ایک اور مرید ومجاز حضرت میراں شیخ حاتم علی تھے جو دہلی میں برسوں حضرت شاہ فخر الدین محب النبی نظامی دہلوی کی خانقاہ میں رہ کر علوم باطنی کی تحصیل کرچکے تھے یہاں سے طلب مزید آپ کو حضرت شاہ عبدالباری کی خدمت میں اور پھر سدا کے لئے اسی در کے ہو گئے۔ حتیٰ کہ انتقال کے بعد بھی اپنے ہادی ومرشد کے قدموں میں ابدی آسودگی کے مزے لے رہے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالباری نے اپنے فرزند کو ان کے سپرد کیا تھا تا کہ وہ منازل سلوک کی تکمیل کرا دیں۔ اس وقت تک حضرت سید عبدالرحیم ولایتی بھی خانقاہ میں موجود تھے، جب حضرت سید احمد شہیدؒ رائے بریلی نے علم جہاد بلند کیا تو ہندوستان بھر کی خانقاہوں کو مراسلہ بھیجا تھا کہ وہ جہاد میں شرکت کریں۔ حضرت شاہ رحمان بخش کی خانقاہ میں بھی یہ مراسلہ آیا۔ انہیں جہاد کی بڑی تمنا تھی اس لئے شہسواری اور شمشیر زنی بھی سیکھی تھی۔ کسرت بھی کیا کرتے تھے۔ انہوں نے سید عبدالرحیم فاطمی (اخوند جان محمد کے ساتھی) کو خانقاہ کی طرف سے قافلہ مجاہدین میں شرکت کرنے کے لئے نامزد کیا۔ پانچ سو روپیہ کی ایک تھیلی، دوسرا بہت سا سامان اور اجناس اور مجاہدین کا ایک مختصر سا قافلہ لے کر حضرت عبدالرحیم ولایتیؒ روانہ ہوئے اور سہارنپور پہونچکر سید احمد بریلوی کے قافلہ میں شامل ہوگئے (۱۰) یہ ۱۸۲۸ کے آخر یا ۱۸۲۹ء کے آغاز کا واقعہ ہے وہاں سے یہ قافلہ طویل سفر کرتا ہوا۔ سرحدی علاقہ میں

پہونچا جس کی مکمل تفصیلات مولانا غلام رسول مہر کی کتاب 'سیرت احمد شہید'' اور سرگزشت مجاہدین وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ آخرکار بالاکوٹ علاقہ پنجتار کے معرکہ میں ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶/مئی ۱۸۳۱ء کو جہاد کرتے ہوئے حضرت سید احمد بریلویؒ کے ساتھ ہی (۱۱) شہید ہوگئے۔ اب ان کے مزار کا پتا بھی نہیں ملتا۔ مگران کا روحانی فیض آج تک عرب وعجم میں جاری ہے اور ۔ بعداز وفات تربتِ مادر زمین مجوی در سینہ ہائے مردم عارف مزار ماست کی کھلی تفسیر ہے۔

بہرحال میاں جی نور محمد جھنجانویؒ نے ابتداء میں پیر احسان علی شاہ سے بیعت کی تھی اس کے بعد حضرت عبدالرحیم ولایتی (اخوند جان محمد صاحبؒ کے ساتھی) سے طریقہ چشتیہ صابریہ میں بیعت اور خلافت واجازت حاصل کی پھر حضرت سید احمد شہید بریلویؒ سے بیعت جہاد کی۔ غالباً اس سے پہلے بیعت طریقت بھی کی تھی، لیکن میاں جیؒ نے پھر ان کے خلیفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے اپنے سب متوسلین کو طریقہ چشتیہ ہی میں بیعت فرمایا ہے۔ ''بیاض دلکشا'' سے معلوم ہوتا ہے کہ جس سال حضرت سید احمد شہیدؒ کا قافلہ لکھنؤ سے سہارنپور آیا ہے اس سال سے قبل چند سال قبل ہی میاں جی نور محمد جھنجانویؒ نے شیخ عبدالعلیم قادریؒ (صاحبزادہ اخوند جان محمد صاحبؒ) کے ساتھ پیر احسان علی شاہ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت کی تھی۔ انہوں نے میاں جیؒ کو تو بیعت کرلیا تھا لیکن شیخ عبدالعلیم قادری کو جو تقریباً بیس سال تک حضرت شاہ غلام علی دھلویؒ کی صحبت سے مستفید ہوچکے تھے۔ یہ کہہ کر بیعت نہیں کیا کہ ''تمہارا قلب تختہ زیرمشق کی طرح ہے، میرے لائق نہیں ہے یا تو میں تمام سابقہ نقشوں کو مٹادوں یا انہیں اپنے قاعدے کے مطابق درست کروں اور یہ دونوں کام دِقّت طلب ہیں'' لیکن شاہ عبدالعلیم پھر بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوکر کسب فیض کرتے رہے اور جو کچھ وہ اشغال بتاتے تھے انہیں بجالاتے رہے بالاخران سے بیعت ہوکر خلافت واجازت حاصل کی۔ یہ واقعہ ۱۸۰۸ء سے بہت بعد کا ہے۔ پیر احسان علی جلال آباد سے سہارنپور منتقل ہوگئے اور وہاں تین سال تک رہے۔ شیخ عبدالعلیم قادری (صاحبزادہ اخوند جان محمدؒ) لکھنؤ چلے گئے تھے اور جب سید صاحب کے قافلہ کے ساتھ سہارنپور آئے تو معلوم ہوا کہ انبالہ میں پیر احسان علی شاہ صاحب کا انتقال ہوگیا تھا اس سے ظاہر ہے کہ میاں نور محمد جھنجانویؒ کو طلب صادق کشاں کشاں لئے لئے پھرتی تھی۔ اور آخر انہیں اپنا مقصود حضرت سید عبدالرحیم فاطمی شہیدؒ (اخوند جان محمدؒ کے ساتھ اور ہم سَبَقی سے حاصل ہوگیا (۱۲) ۔ حضرت حاجی عبدالرحیم کی شخصیت اوران کے روحانی کمالات معمولی درجے کے نہیں تھے۔ انہوں نے جس جذبے کے ساتھ راہ حق میں جہاد کیا اور حضرت سید صاحب کے ساتھ اپنی جان نچھاور کردی خود یہی بات ان کے فضل وکمال کی بہت بڑی نشانی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے فرمایا کہ ''مومن دھلوی مجھ سے فرماتے تھے ایک بار چند حضرات شاہ عبدالعزیز صاحب سے حدیث پڑھ رہے تھے تذکرہ اکابر آگیا۔ ہم لوگوں نے عرض کیا اب بھی کوئی ایسا ہے؟ شاہ صاحب نے فرمایا ''پرسوں ہمارے پاس فلاں حلیے کا ایک شخص مسئلہ

دریافت کرنے آئے گا وہ مرد کامل ہے'' اور پھر موعودہ پر دیکھا کہ حضرت عبدالرحیم ولایتی چلے آ رہے ہیں...... حضرت شیخ محمد تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ایک بار شاہ محمد اسحاق دہلویؒ نے حضرت حاجی عبدالرحیم ولایتی پر توجہ ڈالی اور کچھ دیر بعد آنکھیں کھول کر فرمایا ''اللہ اکبر تمہاری نسبت میں بڑی فراخی ہے اور تم کو کچھ احتیاج اکتساب باقی نہیں رہی'' یہ کونسی نسبت تھی جس میں اتنی فراخی حضرت شاہ محمد اسحاق دھلویؒ نے معائنہ کی تھی؟

مفتی عزیز الرحمان بجنوری مولف تذکرہ مشائخ دیوبند نے ص ۲۹ پر یہ لکھا ہے ''بہر حال حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی اس زمانہ میں کاملین میں سے تھے۔ ان ہی سے حضرت میاں جیو صاحبؒ بیعت ہوئے اور خرقہ خلافت ملا''

درّ فرید میں بیاضِ دلکشا کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی اور اخوند جان محمد ایک ساتھ ہی تلاشِ مرشد میں نکلے تھے جب حضرت شاہ عبدالباریؒ نے اخون صاحب کو بیعت نہیں کیا اور انہیں شاہ غلام علی دھلویؒ کی خانقاہ میں جانے کا مشورہ دیا تو انہوں نے امروہہ سے غوث گڑھ جا کر نواب ضابطہ خان کی ملازمت اختیار کر لی (۱۳)۔ اس وقت اخون جی لوہاری جا کر بس گئے۔ اور پھر آپ نے وہیں نکاح کیا اور دہلی میں حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ سے طریقہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔

ان سب تفصیلات سے ظاہر ہے کہ یہ دونوں بزرگ (یعنی حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ اور اخوند جان محمدؒ) ۱۲۰۱ھ کے بعد امروہہ میں حضرت شیخ عبدالباریؒ کی خدمت میں پہنچے ہوں گے۔ ان کا وصال ۱۲۲۶ھ ۱۸۱۱ء میں ہوا ہے۔ اس حساب سے وہ بیعت کرنے کے بعد کئی سال تک پیر و مرشد کی خدمت میں رہے۔ اور انکے انتقال کے سولہ سال بعد تک بھی خانقاہ میں موجود تھے اور یہاں سے نامزد ہو کر جہاد میں گئے تھے۔ اگر انہوں نے سہارنپور جا کر سید احمد شہیدؒ سے بیعت طریقت کر کے خلاف و اجازت حاصل کی تھی تو وہاں سے براہ راست بالاکوٹ علاقہ پنجتار کیلئے روانہ ہو چکے تھے۔ جہاں سے بالا آخر مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے اور اس مدت میں کسی کو بیعت کر کے خلافت سے مشرف کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جبکہ افضل ترین عبادت یعنی جہاد کا مرحلہ سامنے تھا جس کے آگے اوراد و اشغال باطنی سب ہیچ ہیں۔ پھر یہ کہ میاں جی نور محمد جھنجانویؒ حضرت سید احمدؒ کے ہم عصر تھے۔ دونوں ایک ہی سن میں پیدا ہوئے تھے۔ میاں جیؒ نے سید صاحبؒ سے بیعت جہاد بھی کی تھی۔ اس سے پہلے وہ ان سے بیعت طریقت کر چکے تھے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے چشتی صابری نسبت اور اعمال و اشغال اپنے پیر و مرشد میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ سے اور انہوں نے اپنے مرشد حاجی عبدالرحیم ولایتی شہیدؒ (اخوند جان محمد کے ساتھی) سے اور انہوں نے مصدر فیض جاری حضرت خواجہ عبدالباری چشتیؒ سے حاصل کئے۔

بحث و نظر
جناب محمد مشتاق احمد
(قسط 2)
لیکچرر شعبۂ اسلامیات، پشاور یونیورسٹی

عصر حاضر میں جہاد سے متعلق مسائل

بعض اوقات مظالم کے باوجود ہجرت ناممکن یا نامناسب ہوتی ہے، مثلاً:

الف) جب مظلوموں کی تعداد لاکھوں میں ہو۔

ب) جب قریب ترین اسلامی ملک بہت دور ہو جہاں کثیر تعداد میں مسلمانوں کے لئے ہجرت کر کے جانا ناممکن ہو یا انتہائی حد تک مشکل ہو۔

ج) جب اسلامی ملک اتنی کثیر تعداد میں آنے والے مہاجرین کی آبادکاری کے وسائل نہ رکھتا ہو۔

د) جب وہ غیر مسلم ملک انہیں ہجرت بھی نہ کرنے دیتا ہو۔

کیا ان صورتوں میں لاکھوں لوگوں کو گھر بار چھوڑ کر نکل جانے کا حکم دیا جائے؟ کیا اس سرزمین کو اسلام کے دشمنوں کے لئے خالی چھوڑ دیا جائے؟ ایسی صورت میں جبکہ ظلم جاری ہو مظلوموں کے پاس کون سا راستہ باقی رہ جاتا ہے؟ کیا صرف یہی کہ صبر اور برداشت کا رویہ اختیار کریں اور دیگر مسلمانوں کی مدد طلب کریں؟ اگر باہر کے مسلمانوں کو اجازت ہے، بلکہ ان پر واجب ہے، کہ وہ ان کی مدد کے لئے طاقت کا استعمال کریں تو یہ خود اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے کیوں طاقت استعمال نہیں کر سکیں گے؟ کیا صرف اس لئے کہ ان کی اپنی حکومت نہیں ہے؟ اگر ان کی اپنی حکومت ہوتی تو پھر اس ظلم کی نوبت ہی کیوں آتی؟ اگر وہ منظم ہو کر ایک امیر کی اطاعت کا دم بھر کر قتال کریں تو شرعاً یا عقلاً اس پر کیا اعتراض وارد ہو سکتا ہے؟

یہ امر بھی محتاج بیان نہیں ہے کہ شریعت نے فرد کو دفاع حق شخصی کے تحت طاقت کے استعمال کی اجازت دی ہے۔

و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ۔ (۶۳)

''اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اسی قدر لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو۔''

و الذین اذا اصابهم البغی هم ینتصرون ۔ و جزآء سیئة سیئة مثلها ۔ (۶۴)

''اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔۔۔ برائی کا بدلہ اسی کے برابر کی سزا ہے۔''

یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ دونوں آیات مکی ہیں۔ ابتدا میں مکہ کے مظلوم مسلمانوں کو دفاع میں بھی طاقت

کے استعمال کی اجازت نہیں تھی، تاہم مکہ ہی میں آخری دور میں مسلمانوں کو یہ حق دے دیا گیا۔ یہ اجازت اس صورت میں دی گئی کہ ان کی تعداد ایک اندازے کے مطابق ساڑھے سات سو سے زیادہ نہیں تھی۔ کیا جن مظلوموں کی تعداد لاکھوں میں ہو اور انہوں نے اپنے حقوق کیلئے پرامن جدوجہد کا راستہ بھی آزمایا ہو ان کو اپنے حقوق کے تحفظ کیلئے طاقت کے استعمال کی اجازت نہیں ہوگی؟ اور اگر فرداً فرداً ایک ایک مظلوم کو یہ حق حاصل ہے، اور یقیناً ہے، تو اگر بہت سارے مظلوم مل کر ایک دوسرے کا تحفظ کریں تو اس میں کیا قباحت ہے؟ بلکہ ایک طاقتور ظالم کے جبر سے بچنے کا بہتر طریقہ ہی یہی ہوتا ہے کہ مظلوم مل کر ایک دوسرے کا بچاؤ کریں۔ یہ عقل کا بھی تقاضا ہے اور اوپر نقل کی گئی آیات بالخصوص سورۃ الشوریٰ کی آیات کا مقتضیٰ بھی یہی ہے۔ ان آیات میں سچے مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ باہمی معاملات مشورے سے چلاتے ہیں، پھر کئی خصوصیات بیان کر دینے کے بعد کہا گیا ہے کہ مومنوں پر جب ظلم ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں۔ گویا دفاع کا زیادہ مناسب طریقہ یہی ہے کہ مسلمان اس کے لئے شورائیت پر مبنی اجتماعی جدوجہد کریں۔ آزادی کے لئے مسلح جدوجہد کرنے والی تنظیمیں اسی فلسفے پر قائم کی جاتی ہیں۔ اس لئے میرے نزدیک اس کے جواز بلکہ ندب کے سلسلے میں کوئی ابہام نہیں۔ بلکہ میرے نزدیک تو یہ امر بھی بالکل واضح ہے کہ یہ جواز اور ندب بعض اوقات وجوب میں بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم، و علمہ اتم و احکم۔ (۶۵)

باقی رہا یہ سوال کہ اگر آزادی کی تحریکیں صرف استخلاص وطن کی بات کریں اور دین کی سربلندی کی بات نہ کریں تو ان کی جدوجہد کی شرعی حیثیت کیا ہوگی تو سطور بالا میں کی گئی بحث کی روشنی میں اس کا جواب بھی بالکل واضح ہے۔ شریعت نے صرف اس صورت میں ہجرت و جہاد کے احکام نہیں دیے جب دین پر عمل ممکن نہ ہو بلکہ جیسا کہ سورۃ الشوریٰ اور سورۃ النحل کی آیات سے واضح ہے شریعت نے فرد کے لئے ظلم کے خلاف طاقت کے استعمال کو اس صورت میں بھی جائز قرار دیا ہے جب اسلامی ریاست وجود میں نہ آئی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے جان، مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو بھی شہید قرار دیا ہے:

من ارید مالہ بدون حق فقاتل فقتل دون مالہ فھو شھید۔ (۶۶)

”جس کا مال چھینا جا رہا ہو اور وہ مزاحمت کرتے ہوئے قتل کیا گیا تو وہ شہید ہے۔“

من قتل دون مالہ فھو شھید، و من قتل دون دینہ فھو شھید، و من قتل دون دمہ فھو شھید، و من قتل دون اھلہ فھو شھید۔ (۶۷)

”جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنے خاندان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے۔“

من قتل دون مظلمته فهو شهيد ۔ (۶۸)

''جو شخص اپنے حق کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے۔''

پس استخلاص وطن کی تحریک یقیناً جہاد کے مفہوم میں شامل ہے چاہے نفیاً یا اثباتاً دین کی سربلندی کی بات نہ کی جائے۔ البتہ اگر آزادی کی تحریک کے رہنما غیر اسلامی نظام یا مقاصد کے حصول کے نعرے بلند کریں تو ایسی صورت میں اس تحریک کو جہاد نہیں کہا جاسکے گا، اگرچہ افراد کو حق دفاع شخصی پھر بھی حاصل رہے گا۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ اگر غیر مسلموں کے حملے میں مسلم حکومت شکست کھا جائے تو پھر مسلح جدوجہد جاری رہے گی یا نہیں تو یہ اجتہادی مسئلہ ہے جسے مسلمانوں کے ارباب حل وعقد حل کریں گے۔ اس سلسلے میں مختلف آرا ہوسکتی ہیں: کسی کو مسلح مزاحمت نامناسب اور نقصان دہ نظر آئے گی اور وہ مسلمانوں کی بچی کھچی طاقت کو جنگ سے گریز کرکے بچانے کی کوشش کریں گے اور کوئی مسلح مزاحمت ہی کو صحیح لائحہ عمل مان کر جدوجہد جاری رکھیں گے۔ ایک بات بہرحال طے شدہ ہے کہ دارالاسلام جب غیر مسلموں کے قبضے میں چلا جائے تو اسے چھڑانے اور اس پر سے غیر مسلموں کا تسلط ختم کرنے کی کوشش فرض عین ہوگی۔ البتہ طریق کار میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ مسلح جدوجہد کرنے والوں اور پرامن ذرائع اختیار کرنے والوں کے درمیان ہم آہنگی اور رابطہ بھی ضروری ہے۔ نیز ایسی صورت میں مسلح جدوجہد کے لئے ریاست یا حکومت کی شرط باقی نہیں رہے گی، بلکہ وہ اس کا بدل یا قائم مقام وجود میں لاکے جدوجہد کرسکتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی کو امیر جہاد مقرر کرکے اس کی اطاعت کا اقرار کریں اور اس کی سربراہی میں قتال کریں۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ ایسی صورت میں غیر مسلم قابضین کے خلاف پرامن جدوجہد تو جائز ہوگی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے ہاتھ مضبوط کیے جائیں، یا ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف طاقت استعمال کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا واضح فرمان ہے:

من حمل السلاح علينا فليس منا ۔ (۶۹)

''جس نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

پس اگر چند مسلمان حملہ آوروں کا ساتھ دے رہے ہوں تو ان کے خلاف کاروائی محض اس وجہ سے ناجائز نہیں ہوجائے گی کہ وہ نام کے مسلمان ہیں۔ فقہا نے صراحت کی ہے کہ اگر مسلمان غیر مسلموں کے قیدی ہوں اور غیر مسلموں پر حملے کی صورت میں مسلمانوں کے نشانہ بننے کا بھی اندیشہ ہو تب بھی حملہ جائز ہوگا بشرطیکہ حملے میں مسلمانوں کو نشانہ بنانے کا قصد نہ کیا جائے، انہیں بچانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے اور حملہ بہرحال ناگزیر ہو۔ (۷۰) یہ وہ صورت ہے جب مسلمان ان کے قیدی ہوں۔ پس ایسی صورت میں تو حملہ بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا جب چند نام کے

مسلمان قابضین کی فوجی کاروائی میں ان کا ساتھ بھی دے رہے ہوں۔

فریضۂ دفاع کی وسعت اور اعانت کی حدود

اولاً: دفاع کا فریضہ اور مسلم ممالک

جیسا کہ واضح کیا گیا دفاع نہ صرف ایک فطری حق ہے بلکہ شرعی فریضہ بھی ہے۔ ایک مسلمان ملک پر حملہ پوری امت مسلمہ پر حملہ تصور ہوگا اور سب پر دفاع کا فریضہ عائد ہوگا۔ ارشاد باری تعالی ہے:

و ما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ و المستضعفین من الرجال و النساء و الولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا، و اجعل لنا من لدنک ولیا و اجعل لنا من لدنک نصیرا۔ (۷۱)

''تمہیں ہوا کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑ رہے جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی جانب سے ہمارا کوئی حامی اور مددگار پیدا کر دے۔''

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ حملے کی زد میں آئے ہوئے علاقے کے لوگ اگر حملے کے خلاف دفاع نہ کر سکتے ہوں تو ان کے مجاور علاقوں پر یہ فریضہ عائد ہوگا۔ پھر اگر وہ بھی دفاع کی اہلیت نہ رکھتے ہوں یا وہ فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی کریں تو ان کے بعد کے علاقوں پر فریضہ عائد ہوگا، یہاں تک کہ یہ فریضہ دنیا کے تمام مسلمانوں پر عائد ہو جائے گا۔

ان الجھاد اذا جاء النفیر انما یصیر فرض عین علی من یقرب من العدو۔ فاما من ورائھم ببعد من العدو فھو فرض کفایۃ علیھم حتی یسعھم ترکہ اذا لم یحتج الیھم۔ فان احتیج الیھم بان عجز من کان یقرب من العدو عن المقاومۃ مع العدو، او لم یعجزوا عنھا لکنھم تکاسلوا و لم یجاھدوا، فانہ یفترض علی من یلیھم فرض عین کالصلوٰۃ و الصوم لا یسعھم ترکہ۔ ثم و ثم الی ان یفترض علی جمیع اھل الاسلام شرقا و غربا علی ھذا التدریج۔ نظیرہ الصلوٰۃ علی المیت، ان کان الذی یبعد من المیت یعلم ان اھل محلتہ یضیعون حقوقہ او یعجزون عنہ کان علیہ ان یقوم بحقوقہ، کذا ھنا۔ (۷۲)

''نفیر عام کی صورت میں جہاد ہر اس شخص پر فرض عین ہو جاتا ہے جو دشمن سے قریب تر ہو۔ اور جو دشمن سے دور ہوں تو ان کے لئے یہ اس وقت تک فرض کفایہ ہوتا ہے جب تک جنگ میں ان کی شرکت کی ضرورت نہیں ہوتی اور

اس وجہ سے ان کے لئے اس جنگ سے الگ رہنے کا موقع ہو۔ پس اگر اس وجہ سے ان کی ضرورت پڑے کہ دشمن کے قریب کے لوگ کمزور ہیں یا کمزور نہیں ہیں مگر دفاع میں کوتاہی کر رہے ہیں تو ان کے بعد والوں پر یہ نماز اور روزے کی طرح فرض عین ہو جاتا ہے جس کا ترک کرنا ان کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ اسی طرح دوسروں کی باری آئے گی یہاں تک کہ بتدریج شرقا و غربا تمام اہل اسلام پر یہ فرض عین ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال میت کی نماز جنازہ کی ہے۔ اگر میت سے دور رہنے والا جانتا ہو کہ اس کے پڑوس کے لوگ اس کے حقوق ضائع کریں گے یا وہ ان کی ادائیگی سے عاجز ہیں تو اس پر فرض عین ہو جاتا ہے کہ اس کے حقوق ادا کرے۔ بعینہ اسی طرح اس صورت میں بھی ہوگا۔"

گویا اسلامی ملک پر حملے کو کوئی مسلمان پرایا جھگڑا نہیں سمجھے گا، بلکہ دفاع کو اپنا فریضہ سمجھ کر ہوشیار اور بیدار رہے گا، کیونکہ کسی بھی وقت یہ امکان ہوسکتا ہے کہ یہ فریضہ اس کے حق میں فرض عین ہو جائے۔ اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اسلامی ملک پر حملے کی صورت میں پوری امت مسلمہ میں ایک ایمرجنسی کی سی کیفیت پیدا ہو۔

یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ مجاور علاقوں پر فریضہ عائد ہونے کا سبب یہ ہے کہ دور کے علاقوں کی بہ نسبت وہ حملے کے خلاف دفاع کی زیادہ بہتر پوزیشن پر ہوتے ہیں۔ پس اگر قریب کے علاقے یہ فریضہ احسن طریقے سے نہیں نبھا سکتے یا وہ اس کی ادائیگی میں کوتاہی کریں تو دور کے علاقے اس فرض کو ادا کرنے کے لئے آگے بڑھیں۔ موجودہ دور میں جبکہ ذرائع مواصلات نے بہت ترقی کی ہے قرب و بعد کے پیمانے بہت تبدیل ہو چکے ہیں۔ اب تو شاید زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ کس مسلمان ملک کے پاس زیادہ بہتر ہتھیار پائے جاتے ہیں؟ کس ملک کی معاشی پوزیشن زیادہ مستحکم ہے؟ کونسا ملک سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے ہے۔ جو جتنی زیادہ اہلیت رکھے گا اس پر فریضہ دوسرے کی بہ نسبت زیادہ جلدی عائد ہوگا۔ اس لحاظ سے یہ عین ممکن ہے کہ مجاور ملک کی بہ نسبت ایک دور دراز کے ملک ،جس کے پاس ایٹمی ہتھیار بھی ہوں اور وہ ٹیکنالوجی کے لحاظ سے بھی آگے ہو، پر دفاع کا فریضہ جلدی عائد ہو۔ یہاں ایک بار پھر اس امر کی طرف توجہ ہو کہ دفاع کا فریضہ عام حالات میں فرض کفائی ہے جو بعض اوقات فرض عین بھی بن جاتا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان ملک اور ہر مسلمان فرد کو خود غور کر کے فیصلہ کرنا ہوگا کہ آیا اس کے حق میں اس کی حیثیت فرض کفائی کی ہے یا یہ اس کے حق میں فرض عین کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دفاع کا فریضہ احسن طریقے سے ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان ممالک کے درمیان باہمی رابطے بہتر ہوں اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ دفاعی اور معاشی بندھنوں میں بندھ جائیں۔ اس سلسلے میں یورپی یونین اور معاہدۂ شمالی اوقیانوس کی تنظیم (نیٹو) کے تجربات سے بہت کچھ دروس و عبر حاصل ہو سکتے ہیں۔ نیٹو ممالک نے آپس میں دفاعی معاہدہ کر کے "اجتماعی دفاع" کے تصور کو ایک بہترین عملی شکل دے دی ہے۔ ایک ممبر ملک پر حملہ سب پر حملہ تصور ہوتا ہے اور سب مل کر حملہ آوروں کے خلاف کاروائی کرتے ہیں۔ اس طریق کار کو

بین الاقوامی قانون نے بھی صحیح تسلیم کیا ہے۔ اقوام متحدہ کے چارٹر کی دفعہ ۵۱ نے مختلف ممالک کے اجتماعی حق دفاع کو سند جواز دی ہے۔ بین الاقوامی عدالت انصاف نے بھی اس طریق کار کو جائز ٹھہرایا ہے۔ (۷۳) اس اجتماعی حق دفاع کے متعلق ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اس میں قرب و بعد کی بات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ کوئی سے دو یا زائد ممالک، جو مشترکہ مفاد رکھتے ہوں، آپس میں دفاعی معاہدہ کر کے اجتماعی حق دفاع سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے درمیان بحر شمالی اوقیانوس حائل ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس طریق کار سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

امت مسلمہ کے اجتماعی حق دفاع کے متعلق البتہ یہاں یہ بات واضح ہو کہ اس کی بنیاد کسی دفاعی معاہدے پر نہیں، بلکہ امت کے تصور پر ہے اور یہ امت پر اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے عائد کردہ فریضہ ہے۔ اسلئے اگر دو اسلامی ممالک میں دفاعی معاہدہ نہ بھی ہو تو ان پر لزم ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔ تاہم موجودہ بین الاقوامی نظام اور قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر مسلمان ممالک آپس میں دفاعی معاہدات بھی کرلیں تو وہ بہت سی پیچیدگیوں سے بچیں گے۔

ثانیاً: دفاع کا فریضہ اور افراد امت

جیسا کہ پچھلی سطور میں واضح کیا گیا، امت کے ہر خطے اور ہر فرد کا دفاع ایک فرض کفائی ہے جو بعض اوقات فرض عین بن جاتا ہے۔ فرض عین ہو جانے کی صورت میں اذن والدین یا اذن امام کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم، جیسا کہ پیچھے حنبلی فقیہ ابن قدامہ کے حوالے سے واضح کیا گیا، دفاع کی صورت میں بھی افراد کی اولین کوشش یہی ہونی چاہیے کہ اسے حکومت کے ماتحت رہ کر ادا کیا جائے۔ اگر حکومت اپنا فریضہ ادا نہیں کرتی تو اسے اس پر مجبور کرنا چاہیے۔ بلکہ دفاع کے فریضے میں کوتاہی برتنے والی حکومت اپنا جواز ہی کھو بیٹھتی ہے۔ حکومت اور ریاست شریعت پر بہتر طریقے سے عمل کرنے کے لئے وجود میں لائی جاتی ہیں، ورنہ وہ خود مقصود بالذات نہیں۔ اگر ریاست یا حکومت اپنا فریضہ ادا کرنے پر تیار نہ ہو اور حکومت کی تبدیلی بھی بہت دور کی بات لگتی ہو جبکہ دفاع کا فریضہ فوری طور پر ادائیگی کا متقاضی ہو تو اس صورت میں اذن امام کی شرط ساقط ہو جاتی ہے۔ فقہاء نے صراحت کی ہے:

اما اذا عم النفير بان هجم العدو على بلد فهو فرض عين يفترض على كل واحد من آحاد المسلمين ممن هو قادر عليه۔ فاذا عم النفير لا يتحقق القيام به الا بالكل، فبقي فرضا على الكل عينا بمنزلة الصوم و الصلوٰة۔ فيخرج العبد بغير اذن مولاه و المرءة بغير اذن زوجها، لان منافع العبد و المرءة في حق العبادات المفروضة عينا مستثناة عن ملك المولى و الزوج شرعا، كما في

الصوم و الصلوۃ. و کذا یباح للولد ان یخرج بغیر اذن الوالدین، لان حق الوالدین لا یظهر فی فروض الاعیان کالصوم و الصلوۃ. (۷۴)

''البتہ جب نفیر عام کی صورت ہو، مثلاً جب دشمن کسی علاقے پر حملہ کردے تو جہاد فرض عین کی صورت میں ہر مسلمان فرد پر، جو اس کی مقدرت رکھتا ہو، لازم ہو جاتا ہے۔ پس نفیر عام کی صورت میں، جبکہ سب کے حصہ لیے بغیر فرض کی ادائیگی نہیں ہو سکتی، جہاد ہر فرد پر نماز اور روزے کی طرح فرض عین ہو جاتا ہے۔ پس ایسی صورت میں غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اور عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر فرض کی ادائیگی کے لئے نکلے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فروض اعیان کی صورت میں آقا اور شوہر کی ملکیت سے غلام اور بیوی کے منافع مستثنیٰ ہوتے ہیں، جیسے نماز اور روزے کا معاملہ ہے۔ اسی طرح بیٹے کو نکلنا ہوگا خواہ اس کے والدین نے اجازت نہ دی ہو کیونکہ والدین کی اجازت فروض اعیان، جیسے نماز اور روزے، کی صورت میں مؤثر نہیں ہوتی۔''

جو مسلمان حملے کی زد میں آئے ہوئے ہوں وہ، جیسا کہ پیچھے واضح کیا گیا، کسی امیر کی اطاعت میں ہی کاروائی کریں گے۔ ایسی صورت میں ان کی مدد کے لئے جانے والے بھی اس ریاست کے حکمران یا امیر جہاد کی اطاعت میں دفاع کا فریضہ ادا کریں گے۔

ثالثاً: دفاع کا فریضہ اور اعانت کی حدود

جہاں تک ایسی صورت میں اعانت کی حدود کا معاملہ ہے تو وہ حالات پر منحصر ہے۔ بعض اوقات محض اخلاقی مدد (مثلاً حملے کو ناجائز قرار دینا، حملے کی زد میں آئے ہوئے لوگوں کو مظلوم قرار دینا، دفاع کا فریضہ ادا کرنے والوں کو خراج تحسین پیش کرنا وغیرہ) بھی کافی ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کے ساتھ ساتھ سیاسی اور سفارتی مدد (جیسے بین الاقوامی رائے عامہ ہموار کرنے کی کوشش کرنا، حملہ آوروں پر سیاسی دباؤ ڈالنا، اسے بین الاقوامی برادری میں تنہا کرنا وغیرہ) بھی ضروری ہوتا ہے اور اس کے بغیر محض اخلاقی مدد سے کام نہیں چلتا۔ تاہم بعض حالات میں سفارتی اور سیاسی مدد بھی کافی نہیں ہوتی، بلکہ عملی مدد (جیسے مظلوموں تک ادویات کی رسائی، مہاجرین کی آبادکاری کے لئے کوشش کرنا، مزاحمت کرنے والوں کی مالی امداد، انہیں پناہ گاہیں فراہم کرنا وغیرہ) بھی لازم ہو جاتی ہے۔ اور بعض صورتوں میں باقاعدہ جنگ میں شرکت بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ مختصراً یہ کہ مدد کی حیثیت فرض کفائی کی ہو جاتی ہے۔ مدد کی مختلف صورتوں کو ضرورت کے مطابق اختیار کیا جائے گا۔ رہنما اصول اس سلسلے میں یہ ہے کہ کسی طور حملہ آوروں کو بلاد اسلام سے واپس دھکیلنا اور بلاد اسلام میں امن کی فضا بحال کرنا ہے، اس کے لئے جو اقدام ضروری ہو وہ اٹھایا جائے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض اشخاص پر مدد کی ایک صورت لازم ہو اور بعض پر کوئی دوسری۔ البتہ یہاں پھر یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ اگر حملے کا جواب بغیر فوجی مدد کے ممکن نہ ہو تو محض اخلاقی یا سفارتی بلکہ مالی مدد سے بھی اعانت کا

فرض ادا نہیں ہوگا۔ قرآن کے الفاظ اس معاملے میں بالکل واضح ہیں کہ مظلوموں کی مدد کے لئے فوجی طاقت استعمال کرنا بعض اوقات واجب ہو جاتا ہے اور یہ واجب صرف فوجی اعانت سے ہی ادا ہوتا ہے۔

و ما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ و المستضعفین من الرجال و النساء و الولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا، و اجعل لنا من لدنک ولیا و اجعل لنا من لدنک نصیرا۔ (۷۵)

''تمہیں ہوا کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑ رہے جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی جانب سے ہمارا کوئی حامی اور مددگار پیدا کر دے۔''

و ان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم و بینھم میثاق۔ (۷۶)

''اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے، لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہو۔''

یہ بات بھی یہاں قابل ذکر ہے کہ اقوام متحدہ کے چارٹر نے بھی دفعہ ۵۱ کے تحت سلامتی کونسل کو یہ اختیار دیا ہے کہ اگر وہ یہ سمجھے کہ کسی ملک سے دنیا کے امن کو خطرہ ہے تو وہ اس کے خلاف فوجی کاروائی کر سکتی ہے۔ اور یہ بات بھی بین الاقوامی قانون کے تحت مسلمہ ہے کہ ''دنیا کے امن کو خطرہ'' کسی ملک کی حکومت کی جانب سے اپنی رعایا پر ظلم یا کسی ملک کے اندر جاری خانہ جنگی سے بھی ہو سکتا ہے۔ بلکہ بعض ممالک تو اس کے قائل ہیں کہ ''انسانی ہمدردی کی بنیاد پر فوجی مداخلت'' (Humanitarian Intervention) کے لئے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی اجازت لازمی نہیں ہے۔ ان کا موقف ہے کہ یہ حق انفرادی طور پر ملک یا ممالک کو بھی حاصل ہے۔ سربیا پر نیٹو کی بمباری کے لئے جو جواز بیان کئے جاتے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا۔ تاہم اکثر ممالک کا موقف یہ ہے کہ کوئی ملک سلامتی کونسل کی اجازت کے بغیر ایسی کاروائی نہیں کر سکتا۔ (۷۷) پس مسلمان ممالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے فورم پر بھرپور کردار ادا کریں اور اپنے موقف کو واضح کرنے کے لئے مشترکہ لائحہ عمل اور باہمی تعاون کی راہ اختیار کریں۔

جہاد اور معاہدات

اولاً: غیر مسلموں کے ساتھ امن کے معاہدات کا جواز اور امن معاہدات کی اقسام

جہاد کے حوالے سے ایک اہم بحث معاہدات کی ہے۔ عام طور پر مشہور یہ ہے کہ فقہاء غیر مسلموں کے ساتھ امن کے معاہدے (موادعۃ یا مھادنۃ) کو ناجائز یا کم از کم غیر مناسب تصور کرتے ہیں۔ اسی طرح مشہور ہے کہ وہ کسی

دوسرے ملک میں مقیم غیر مسلموں کے ساتھ صرف اس صورت میں امن کے معاہدے کو جائز ٹھہراتے ہیں جب وہ موقت ہو، اور یہ کہ وہ صرف ایک ہی موبد معاہدے کو مانتے ہیں اور وہ ہے عقد ذمہ جس کے تحت غیر مسلم اسلامی ملک کے باشندے بن جاتے ہیں۔ (۷۸) یہ مفروضات صحیح نہیں ہیں اور ان کی بنا یہ قول ہے کہ قتال کی علت کفر یا شوکت کفر ہے۔ پچھلی سطور میں تفصیل سے واضح کیا گیا کہ فقہاء کی اکثریت کا قول یہ ہے کہ قتال کی علت محاربہ ہے۔ پس ان غیر مسلم قوموں کے ساتھ امن کا معاہدہ کرنے میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے جو اسلام یا مسلمانوں کے خلاف محاربے کا ارتکاب نہیں کرتیں، بلکہ محاربین بھی جب امن کی طرف میلان دکھائیں تو ان کے ساتھ معاہدہ کر لینا چاہیے، سوائے اس صورت کے جب معاہدے سے مسلمانوں کو کوئی سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ ارشاد باری تعالی ہے:

و ان جنحوا للسلم فاجنح لها و توکل علی اللہ۔ (۷۹)

''اور اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لئے آمادہ ہو جاؤ''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فلا تھنوا و تدعوا الی السلم و انتم الاعلون و اللہ معکم و لن یترکم اعمالکم۔ (۸۰)

''پس تم ہمت ہار کر صلح کی درخواست نہ کرو، تم ہی غالب رہنے والے ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے، وہ ہرگز تمہارے اعمال ضائع نہیں کرے گا۔''

بعض لوگ سورۃ التوبہ کی آیات سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ ان آیات کے نزول کے بعد غیر مسلموں کے ساتھ امن کے معاہدے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

براءۃ من اللہ و رسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین۔ (۸۱)

''اعلان براءت ہے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے ان مشرکین کو جن سے تم نے معاہدے کیے تھے۔''

لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ اولاً تو یہ آیات رسول اللہ ﷺ کے جہاد کے ایک خاص پہلو، اتمام حجت، سے تعلق رکھتی ہیں، جیسا کہ پیچھے تفصیل سے واضح کیا گیا، اور ان کا حکم عام نہیں کیا جا سکتا۔ ثانیاً امام ابن قیم الجوزیہ کہتے ہیں کہ ان آیات کا حکم عام بھی سمجھا جائے تو ان سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ امن کا معاہدہ اب جائز نہیں رہا۔ اس کے برعکس ان آیات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاہدے پر عمل لازم ہے اور اگر اسلامی ملک معاہدے کی ذمہ داریوں سے سبکدوش بھی ہونا چاہے تو وہ اس کی اطلاع باقاعدہ طور پر دوسرے فریق کو دے گا اور اسے کافی مہلت بھی دے گا۔ ابن القیم کے قول کے مطابق ان آیات کے نزول کے وقت کفار کی چار قسمیں تھیں (۸۲):

۱) وہ کفار جن کیساتھ کوئی امن کا معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ ان لوگوں کو جو اشہر حرم کے ختم ہونے تک مہلت دی گئی:

و اذان من اللہ و رسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بریء من المشرکین و رسولہ۔ (۸۳)

''اور اعلان عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کے لئے کہ اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے، اور اس کا رسول بھی۔''

فاذا انسلخ الاشہر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم۔ (۸۴)

''پس جب حرام مہینے گزر جائیں تو ان مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی انہیں پاؤ۔''

۲) وہ کفار جن کے ساتھ امن کا معاہدہ موقتاً ہوا تھا اور انہوں نے نقض معاہدہ بھی نہیں کیا تھا۔ ایسے لوگوں کے متعلق حکم دیا گیا کہ ان کے ساتھ کیے گئے معاہدوں پر وقت مقررہ تک پوری طرح عمل کیا جائے۔

الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا و لم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم۔ (۸۵)

''بجز ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدے کیے پھر انہوں نے اپنے عہد کے پورا کرنے میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ایسے لوگوں کے ساتھ تم بھی مقررہ مدت تک عہد پورا کرو۔''

۳) وہ کفار جن کے ساتھ امن کا معاہدہ موقتاً ہوا تھا لیکن وہ نقض عہد کے مرتکب ہو چکے تھے؛ اور

۴) وہ کفار جن کے ساتھ امن کا معاہدہ مطلقاً ہوا تھا۔

ان موخر الذکر دونوں گروہوں کو چار مہینے کا الٹی میٹم دیا گیا۔

براءۃ من اللہ و رسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین۔ فسیحوا فی الارض اربعۃ اشھر و اعلموا انکم غیر معجزی اللہ و ان اللہ مخزی الکفرین۔ (۸۶)

''اعلان براءت ہے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے ان مشرکین کو جن سے تم نے معاہدے کیے تھے۔ پس تم لوگ ملک میں چار مہینے اور چل پھر لو۔ اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ منکرین حق کو رسوا کرنے والا ہے۔''

امن معاہدات کے عدم جواز کی ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ یہ جہاد کی فرضیت کو ساقط کرنے کے مترادف ہے۔ یہ استدلال بھی قطعاً غلط ہے۔ اگر جہاد کا مقصد قتال کے بغیر معاہدے کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہو اور قتال کی علت محاربہ ہو جو مفقود ہو تو خواہ مخواہ قتال کی کاروائی کے لئے جواز کہاں سے فراہم کیا جائے گا؟ فقہاء کی غالب اکثریت نے جب محاربے کو قتال کی علت قرار دیا تو اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ امن معاہدہ موقتاً بھی جائز ہو

اور مطلقاً بھی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے:

امام شافعی سے اس سلسلے میں دو اقوال مروی ہیں۔ ایک یہ کہ موادعة میں وقت کی قید بیان کرنا ضروری ہے اور ایک وقت میں دس سال سے زائد مدت کے لئے موادعة نہیں کیا جا سکتا، البتہ اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو دس سال بعد پھر مزید مدت کا اضافہ کیا جا سکے گا۔ (۸۷) اس قول کی بنیاد یہ ہے کہ قتال کی علت کفر یا شوکت کفر ہے۔ اس قول کی غلطی ہم پیچھے واضح کر چکے ہیں۔ دوسرا قول امام شافعی سے یہ مروی ہے کہ موادعة وقت کی قید کے بغیر مطلقاً بھی جائز ہے۔ امام احمد بن حنبل سے بھی یہی دو قول مروی ہیں اور ابن القیم نے اسی دوسرے قول کی ترجیح دی ہے۔ (۸۸) حنفیہ کا تو مسلک ہی یہی ہے کہ موادعة موقتاً بھی کیا جا سکتا ہے اور مطلقاً بھی۔ وقت کی قید مقرر کرنا یا اسے مطلق چھوڑ دینا حکمران کے اجتہاد پر منحصر ہے اور وہ پابند ہے کہ ہر فیصلہ امت مسلمہ کے مفاد اور مصلحت کو مدنظر رکھ کر کرے (۸۹) یہی قول مالکیہ کا ہے۔ (۹۰)

جمہور فقہاء موادعة کو، چاہے وہ مطلق ہو یا موقت، عقد لازم سمجھتے ہیں، یعنی کوئی بھی فریق دوسرے فریق کی مرضی کے بغیر یکطرفہ طور پر معاہدہ ختم نہیں کر سکے گا۔ حنفیہ ہر دو صورتوں میں اسے عقد غیر لازم قرار دیتے ہیں، یعنی کوئی بھی فریق اسے کسی بھی وقت یکطرفہ طور پر ختم کر سکے گا، البتہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اگر وہ اسے یکطرفہ طور پر ختم کر رہے ہوں تو دوسرے فریق کو اپنے فیصلے سے صراحتاً آگاہ کر دیں اور انہیں احتیاطی تدابیر اپنانے کا پورا موقع دیں:

و اما تخافن من قوم خيانة فانبذ اليهم على سواء۔ (۹۱)

"اور اگر تمہیں کسی قوم کی جانب سے خیانت کا قوی اندیشہ ہو تو اس معاہدے کو علانیہ اس کے آگے پھینک دو۔"

امام ابن القیم کی رائے یہ ہے کہ مطلق ہونے کی صورت میں موادعة غیر لازم ہوتا ہے، جبکہ موقت ہونے کی صورت میں لازم ہوتا ہے۔ یہ ان کی اس تفسیر سے موافق ہے جو انہوں نے سورۃ التوبۃ کی آیات کے متعلق پیش کی۔

بین الاقوامی قانون میں بھی ابتدا ہی سے دو مکاتب فکر رہے ہیں؛ ایک فریق کی رائے یہ ہے کہ امن کا معاہدہ غیر لازم ہوتا ہے اور دوسرے فریق کا کہنا ہے کہ یہ لازم ہوتا ہے۔ "معاہدات کے متعلق میثاق ویانا" میں اس موخر الذکر رائے کو مانا گیا ہے۔ (۹۲) تاہم اب بھی ماہرین کی معتد بہ تعداد اس کی قائل ہے کہ امن کا معاہدہ غیر لازم ہوتا ہے۔ (۹۳) (جاری ہے)

خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے

محترمہ ناہید علی زئی *

بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی رہنمائی کا طریقہ کار
(قرآن و حدیث کی روشنی میں)

قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں تعلیم و تعلم بچوں کی رہنمائی اور رہنمائی کا طریقہ کار ایک بہت ہی اہم موضوع ہے مسلمانوں نے جو علمی ترقیاں کیں۔ بڑے بڑے علمی مکاتب قائم کئے۔ کتابیں تصنیف کیں، جس کے باعث وہ ساری دنیا کے معلم بنے۔ اس کی اساس قرآن و حدیث کی تعلیمات اور حضور ﷺ کی ہدایات کی بنیاد پر ہو سکتی ہیں۔ موضوع کے لحاظ سے پہلے قرآن کی وہ آیات تحریر کی جاتیں ہیں جس میں بچوں کی تعلیم و تربیت اور نگہداشت کی ہدایت پائی جاتی ہیں۔ اس کے بعد احادیث اور بعد میں رہنمائی کے طریقہ کار کا ذکر کیا جائے گا۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واذا بلغ الاطفال منکم الحلم فلیستاذنوا کما استأذن الذین من قبلھم۔ کذلک یبین اللہ لکم ایتہ واللہ علیم حکیم۔ (سورۃ النور ۵۹)

ترجمہ: ''اور جب پہنچیں لڑکے تم میں کے عقل کی حد کو ان کو ویسی ہی اجازت لینی چاہیے جیسے لیتے رہتے ہیں، ان سے اگلے، یوں کھول کر سناتا ہے۔ اللہ تم کو اپنی باتیں، اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔''

اس آیات کی تفسیر میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب "معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں۔

''یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں بالغ مرد عورت کو استیذان کا حکم دینا تو ظاہر ہے۔ مگر نابالغ بچے جو شرعاً کسی حکم کے مکلف نہیں ان کو اس حکم کا پابند کرنا بظاہر اصول کیخلاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ اسکے مخاطب دراصل بالغ مرد عورت ہیں کہ وہ چھوٹے بچوں کو بھی سمجھا دیں کہ ایسے وقت میں بغیر پوچھے اندر نہ آیا کرو۔ جیسے حدیث میں ہے کہ بچوں کو جبکہ وہ سات برس کے ہو جائیں تو نماز سکھاؤ اور نماز پڑھنے کا حکم دو اور دس برس کے بعد سختی سے نماز کے پابند کرو۔ نہ مانیں تو مار کر نماز پڑھاؤ۔ اس طرح استیذان کا اصل حکم بالغ مرد عورت کا ہے۔ (معارف القرآن جلد ۶)

* لیکچرر شعبہ عربی و علوم اسلامیہ، گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان

اس آیت کی تشریح میں یہ بات صراحت کے ساتھ آ گئی ہے کہ بالغ مرد عورت کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے ان زیر نگرانی بچوں کو گھر میں رہنے کے آداب بتائیں۔ زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھائیں اور اشارۃً یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ والدین بچوں کو تعلیم دین کے سارے احکام ان کو سمجھائیں۔ نیکی اور بدی کے کاموں سے ان کو واقف کرائیں۔ اولاد کے ساتھ محبت اور ان کی دیکھ بھال فطری جذبہ ہے جو دیگر حیوانات اور انسان میں مشترک ہے۔ انسان اشرف المخلوقات اور کائنات میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ بقائے نوع انسانی کے علاوہ اس کو اور بھی ارفع واعلیٰ فرائض سپرد کئے گئے ہیں۔ اولاد کی تعلیم وتربیت ان میں سرفہرست ہے۔

سورۃ الطّور آیت نمبر ۲۱ میں ہے۔

والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنابھم ذریتھم وما التنھم من عملھم من شئی کل امری بما کسب رھین" (الطّور۔۲۱)

ترجمہ: اور جو لوگ یقین لائے اور ان کی راہ پر چلی ان کی اولاد ایمان سے پہنچا دیا ہم نے ان تک ان کی اولاد کو اور گھٹایا نہیں ہم نے ان سے ان کا کیا ذرا بھی ہر آدمی اپنی کمائی میں پھنسا ہے۔ (معارف القرآن۔ ج ۸)

حافظ ابن کثیر نے روایات مذکورہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ آخرت میں ان روایات سے تو یہ ثابت ہوا کہ آباء صالحین کی برکت سے ان کی اولاد کو فائدہ پہنچے گا اور عمل میں ان کا درجہ کم ہونے کے باوجود اپنے آباء صالحین کے درجے میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ اس کا دوسرا رخ کہ اولاد صالحین کی وجہ سے والدین کو نفع پہنچے۔ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کا درجہ جنت میں اس کے عمل کی مناسبت سے بہت اونچا کردیں گے۔ تو یہ دریافت کرے گا کہ اے میرے پروردگار! مجھے یہ مقام اور درجہ کہاں سے مل گیا۔ (میرا عمل تو اس قابل نہ تھا۔) تو جواب یہ دیا جائے گا کہ تمہاری اولاد نے تمہارے لئے استغفار اور دعا کی اس کا یہ اثر ہے۔ (معارف القرآن جلد ۸)

اس آیت کی تشریح میں یہ بات صراحت کے ساتھ آ گئی ہے کہ نیک لوگوں کی برکت سے ان کی نیک اولاد کو بھی فائدہ ملے گا' اس طرح نیک اولاد کی والدین کیلئے استغفار اور ان کے حق میں ان کی دعا سے ان کے والدین کو درجات کی بلندی نصیب ہوگی۔

اولاد کا نیک اور صالح ہونا والدین کی تربیت پر منحصر ہے۔ والدین انکی تعلیم وتربیت کو اولیت دیں۔ ان کے اعمال کی نگرانی کریں۔ منکرات سے ان کو بچائیں۔ جب بچپن میں ایک بچے کی اس نہج پر نگہداشت ہوجائے تو وہ باقی زندگی بھی اس بنیاد پر گزارنے کو اولیت دے گا۔ جس طرز عمل سے اولاد کو نفع ملے گا۔ ان کے والدین کو درجات کی بلندی نصیب ہوگی۔ اسلام نے اولاد کی پرورش' دودھ پلانا' خبر گیری اور اخراجات ان تمام چیزوں کا بوجھ والدین پر رکھا

ہے۔اس کے بعد اولاد کی باطنی اور روحانی تربیت کا درجہ ہے۔قرآن پاک نے یہ حق یوں ادا کیا ہے:
سورۃ التحریم میں ارشاد باری ہے:

یاایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا وقودھا الناس والحجارۃ (التحریم آیت۔٦)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔''

قرآن کریم کی درج بالا آیت اور دیگر آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان کی صرف ذاتی نجات کافی نہیں۔اسلام ہر شخص کی یہ ذمہ داری مقرر کرتا ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کی نجات کا بھی بندوبست کرے۔صرف ذاتی ہدایت پر اکتفا نہ کرے دوسرے کو بھی ہدایت کرے۔خاندان کے سربراہ کا یہ فرض ہے کہ وہ اہل وعیال کی ایسی تعلیم و تربیت کا انتظام کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے قائل ہوں' اس کے احکامات کو مانیں اور فکر آخرت پیدا کریں' دنیوی خوشحالی کے علاوہ وہ ابدی زندگی میں سرخروئی اور کامیابی کی بھی فکر کرے۔

اولاد کا اپنے والدین پر اولین حق یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں سے بے پرواہ نہ ہوں یا ان کا نقش حیات محو کرنے کے کا باعث نہ بنیں بلکہ ان کی امکانی پرورش اور تعلیم و تربیت کر کے ان کے لئے کامیاب زندگی کے تمام وسائل مہیا کریں۔

<u>بچوں کی تعلیم وتربیت: (احادیث کی روشنی میں)</u>

۱۔ وعن جابر ابن سمرۃؓ قال قال رسول اللہ لان یودب الرجل ابنہ خیرلہ من ان یتصدق بصاع (ترمذی) ''جابر بن سمرۃؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسولؐ نے کہ باپ کا اپنے بچے کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ سے بہتر ہے۔''

۲۔ ارشاد نبوی ہے کہ باپ کا کوئی عطیہ اپنے بیٹے کے لئے اس سے بڑھ کر اور افضل کوئی نہیں کہ وہ اس کی اچھی تعلیم وتربیت کرے اور اسے ادب سکھائے۔(ترمذی)

۳۔ حضرت معاذؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں دس باتوں کی وصیت فرمائی۔تین باتیں جن کا اس مضمون سے تعلق ہے یہ ہیں۔

وانفق علی عیالک من طولک۔''اپنے اہل وعیال پر اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا۔

ب۔ ولاترفع عنھم عصاک ادبا۔''اور ادب سکھانے کی وجہ سے اپنی لاٹھی انکی جانب سے اٹھا کر مت رکھو۔(یعنی اولاد کی تعلیم وتادیب کے سلسلے میں غفلت نہ برتی جائے اور ضرورت

کے وقت تادیباً سزا دینے میں کوتاہی نہ کی جائے۔

ج۔ و اخفهم فی الله اوران کواللہ تعالیٰ (کے احکامات) کے بارے میں ڈراتے رہنا۔

۴۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس برس کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو اسے مار کر نماز پڑھاؤ۔ (ابوداؤد)

۵۔ اگر ایک طرف ایسی روایت ملتی ہیں جس میں علم کی فضیلت و اہمیت بتائی گئی ہے اور اس کے حصول کی ترغیب دلائی گئی ہے تو دوسری طرف ایسے انتظامات کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔ جس کے باعث علم کا حصول آسان ہو جائے۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ احادیث کی کتابوں میں ملتا ہے۔

''جب جنگ بدر میں کافی کافر قیدی بنے۔ ان قیدیوں میں بعض ایسے بھی تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے مالی فدیہ طلب کرنے کی بجائے ان کا فدیہ یہ مقرر فرمایا کہ یہ لوگ انصار کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ چنانچہ انصار کے بچوں نے قیدیوں سے لکھنا پڑھنا شروع کیا۔ (اسد الغابہ)

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ مدینہ کے دس دس بچوں کو ہر ایک قیدی لکھنا پڑھنا سکھائیں۔

۶۔ آزاد بچوں کے علاوہ غلاموں کی تعلیم و تربیت کا انتظام بھی ہوتا تھا۔ اس طرح یتیموں کو بھی تعلیم دلائی جاتی تھی۔ ابو عامر سلیمؓ جو رواۃ حدیث میں سے ہیں ان کی زبانی روایت ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدنیہ میں آیا تو یہاں مجھ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ معلم مجھ سے جب میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا کہتا کہ گول لکھو' جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ (اسوۃ صحابہ 'جلد نمبر۲' ص ۲۰۰)

۷۔ حضرت عمرؓ نے تمام اضلاع میں احکام بھیجے تھے کہ بچوں کو (قرآن و سنت کے وسیع نصاب کے علاوہ) شہسواری' نشانہ بازی' تیراکی اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔ (معجم البلدان)

۸۔ حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جو لڑکا طالب علم اور عبادت میں نشو ونما پاتا ہے' یہاں تک کہ بڑا ہو جاتا ہے اور اپنی اس حالت میں استوار رہتا ہے تو اسے ستر صدیقوں کا ثواب ملتا ہے (العلم والعلماء)

۹۔ حضرت حسنؓ نے اپنے لڑکوں اور بھتیجوں کو نصیحت کی ''علم حاصل کرو کیونکہ گو آج تم قوم کے چھوٹے ہو مگر کل تم ہی قوم کے بڑا بننے والے ہو۔ جس نے یاد نہ کیا ہو لکھ کر یاد کرے۔ (العلم والعلماء)

۱۰۔ حضرت عروۃ ابن الزبیرؓ اپنے لڑکوں سے کہا کرتے تھے کہ آؤ مجھ سے علم حاصل کرو' کیونکہ عنقریب تم قوم میں بڑے آدمی ہو گے' میں بھی پہلے چھوٹا تھا۔ اور میری کوئی پرواہ نہ کرتا تھا۔ لیکن جب جوان ہوا تو لوگ دوڑ دوڑ کر آئے۔ اور مجھ سے فتویٰ لینے لگے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا عیب ہو سکتا ہے کہ آدمی سے اس کے دین کی کوئی بات پوچھی

جائے اور وہ جاہل نکلے۔(العلم العلماء)

۱۱۔ جب ہجرت کے بعد آنحضرتؐ قبا سے نکل کر بنو نجار کے علاقے میں تشریف لے آئے اور وہاں مستقل اقامت کا ارادہ ظاہر فرمایا تو وہاں مسجد نبوی کی تعمیر ہونے لگی اس مسجد کا ایک حصہ تعلیم گاہ کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ جس کو صفہ کا نام دیا گیا۔ یہ روایت بھی ملتی ہے کہ صفہ کے بعد جلد ہی اور تعلیم گاہیں قائم کر دی گئیں۔

بلاذریؒ نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ مدینہ میں عہد نبوی میں نو مساجد تھیں، رسول اللہ نے لوگوں کو حکم دیا تھا، کہ اپنے محلے کی مسجد میں اپنے ہمسایوں سے تعلیم حاصل کرو سب کے سب مرکزی مسجد میں نہ آیا کرو۔ کیونکہ اس سے طالب علموں کی تعداد بڑھ جانے کا اندیشہ تھا۔ جس سے سب کی تعلیم متاثر ہوتی اور نا کافی اساتذہ کے باعث بچوں کو تعلیم پانے کا موقع نہ مل سکتا۔

۱۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جب انسان مر جاتا ہے، تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے مگر تین قسم کے عمل باقی رہ جاتے ہیں، جن کا اجر و ثواب اس کو مرنے کے بعد بھی مسلسل ملتا رہتا ہے۔

اول صدقہ جاریہ:

یعنی صدقہ و خیرات کا ایسا کام جس سے لوگ طویل عرصے تک فائدہ اٹھاتے رہیں۔ مثلاً عام لوگوں کے استعمال کے لئے کنواں کھودنا، تالاب بنانا، مسجد تعمیر کروانا وغیرہ۔

دوم ایسا عمل جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مثلاً درس گاہ قائم کرنا، تصنیف و تالیف کا کام کرنا۔ یا ایسے شاگرد تیار کرنا جو اپنے استاذ کے علم کو آگے بڑھائیں اور اس کو دوسروں تک پہنچاتے رہیں۔

سوئم نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے۔(مشکوۃ شریف)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اولاد کو صحیح تعلیم و تربیت دینا اور ان کو نیکی کے راستے پر چلانا ایسا صدقہ جاریہ ہے، جس کا اجر و ثواب والدین کو ان کے مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ اور اسی اولاد کے نیک اعمال کا اجر و ثواب والدین کے اعمال نامے میں لکھا جاتا رہے گا۔ اور نیک اولاد اپنے والدین کو ہمیشہ دعائے خیر میں یاد رکھے گی کہ ان کی تربیت کی بدولت ان کو اعمال کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔

رہنمائی کا طریقہ کار:

لوگ جو کچھ اپنے اسلاف سے تعلیم کے ذریعے حاصل کرتے ہیں، اپنی جدوجہد، مشقت اور عملی تجربات سے جو خزانہ جمع کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ طبعی طور پر چاہتے ہیں کہ اس کو اپنی نسل کے سپرد کر دے۔ اور اس حال میں اس جہان سے رخصت ہوں کہ یہ اسلاف کی امانت اپنے اخلاف کے سپرد کریں۔ اب اگر ان نونہالوں کی صحیح تعلیم و تربیت کی گئی ہو، انہیں زیور علم سے آراستہ کیا گیا ہو، تو پھر ان کا انفرادی بھی اور اجتماعی ملک و قوم کا بھی مستقبل تابناک ہوگا۔

قوموں کے عروج زوال کی داستانوں میں یہ بات ایک اہم عنصر کے طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ عروج پانے والی قوموں نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر نہ صرف خصوصی توجہ دی بلکہ اپنی تمام تر صلاحیتیں اپنے بچوں کی صلاحیتیں اجاگر کرنے میں صرف کیں اور جن قوموں کو زوال کا روز بد دیکھنا پڑا وہ اس وجہ سے ہوا کہ ان کے بزرگ عیش وعشرت میں پڑے رہے۔ اور اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت اور یوں ان کے مستقبل سنوارنے سے غافل رہے۔ بچپن کے ماہ و سال کا دور ہی ایک نہایت نازک زمانہ ہوتا ہے' جس پر آئندہ کی تمام خوبیوں اور خرابیوں کا دارومدار ہوتا ہے۔ لہٰذا انسانی زندگی میں یہی دَور سب سے زیادہ قابل توجہ ہوتا ہے۔ بچے کا دماغ صاف وشفاف آئینہ ہوتا ہے۔ وہ ہر اس چیز کا عکس لے لیتا ہے جو اس کے مقابل آتا ہے۔ وہ غور سے دیکھتا اور سنتا ہے' پھر جس طرح وہ دیکھتا اور سنتا ہے اس طرح اس کا نقل کرتا ہے اس صاف شفاف آئینہ پر جو نقش مرتب ہوتا ہے وہ اپنے گہرے اثرات مرتب کرتے ہے' اب یہ بزرگوں کے ہاتھ واختیار میں ہے کہ وہ چاہیں تو بچے کو اچھا انسان اور اچھا مسلمان اور اپنے ملک وملت کے مستقبل کا معمار بنادیں۔ اور اگر چاہیں تو اسے بدکردار' موذی اور ملک وملت کا دشمن بنادیں۔ اسلام میں بچوں کی نگہداشت' تربیت واصلاح اور ان کی تعلیم تربیت پر زور دیا گیا ہے (جیسے کہ مندرجہ بالا قرآن واحادیث کے حوالے سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے) مسلم مفکرین کے خیالات جو اس ضمن میں اہم رہنما اصول کے طور پر کام دے رہے ہیں نہایت اہم ہیں۔ جن سے ہمارے موضوع کی وضاحت ہوتی ہے۔

امام غزالیؒ احیا العلوم الدین میں فرماتے ہیں کہ والدین اور اساتذہ کو بچوں کی تعلیم و تربیت کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بچے کی اقبال مندی میں اس کے والدین اور سرپرستوں کا فرض ہے کہ ان پر پوری پوری توجہ دیں۔ انہیں اچھے طور طریقے سکھائیں ان کی اخلاقی تربیت کریں' بری صحبت سے بچائیں۔ بچے کو سخت اور جفاکش زندگی کا عادی بنایا جائے نہ کہ عیش وتنعم کا' خودداری' خوداعتمادی' شرم و حیا' اور خلوص اس کی نمایاں خصوصیات ہوں' اس کے دل میں مال ودولت کی ہوس نہ پیدا کی جائے۔ کیونکہ یہی چیز بلاوجہ لڑائی جھگڑے کا باعث ہوتی ہے۔ (احیاء العلوم الدین' ص ۱۵۷)

امام غزالی کے نزدیک جب بچہ سن شعور کو پہنچے تو اس کو کسی اچھے مربی کے سپرد کیا جائے۔ جو اسے مفید اور ضروری تعلیم دے۔ (احیاء العلوم الدینیہ' ص ۱۵۹)

شیخ بوعلی سینا کے نزدیک ہر بچے کو اس کی طبعی صلاحیتوں کو پیش نظر رکھ کر تعلیم دی جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بچے کو قرآن حکیم اور زبان کی ابتدائی تعلیم کے بعد اس کی صلاحتیوں کے مطابق تعلیم دی جائے' اور اسے وہی پیشہ اختیار کرنا چاہیے۔ جس کے لئے قدرت نے اسے موزوں کیا ہے۔

یہ ذمہ داری وہ اساتذہ پر ڈالتے ہیں کہ وہ طلباء کی مخصوص صلاحیتوں کا جائزہ لیں۔ اور پھر جو مضمون اس کی

صلاحیتوں کے مطابق ہو اس کے حصول کا انہیں مشورہ دیں۔ (تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ)

علامہ ابن خلدون تعلیم کو بچوں کا بنیادی حق قرار دیتے ہیں' اور صرف اس طریقہ تعلیم کو مفید قرار دیتے ہیں جو انہیں تحقیق و جستجو کا مادہ پیدا کر سکے۔ (مقدمہ ابن خلدون)

علامہ ابن خلدون جو طریقہ تجویز کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اساتذہ طلباء کے سامنے مسائل رکھیں اور علمی موضوعات پر ان سے گفتگو کریں' مباحثہ کریں' طلباء کے درمیان باہمی مباحثہ کا اہتمام کرائیں تا کہ طلباء میں اپنے مضمون کے متعلق مہارت پیدا ہو سکے۔

حضورؐ کی بعثت کے مقاصد میں ایک اہم مقصد ''یعلمھم الکتاب'' یعنی تعلیم کتاب ہے۔ حضور کریمؐ کی زندگی سے ہمیں رہنمائی کا طریقہ کار ملتا ہے کہ کس طریقہ سے آپؐ نے اپنا فرض بطریق احسن انجام فرمایا۔ اور ہماری تعلیم وتربیت میں رہنمائی فرمائی۔ آپ نے تعلیم وتربیت کی کچھ خصوصیات بتائیں۔

۱۔ آپؐ کو اس بات کا خاص خیال ہوتا تھا کہ تعلیم وتربیت کے لئے مناسب اوقات کا انتظام کیا جائے' تا کہ ان کے نصائح کو صدق دل سے قبول کیا جا سکے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

''آنحضرتؐ تخول سے کام لیتے تا کہ روزانہ اور ہر وقت کی تعلیم ونصیحت سے طبائع اکتا نہ جائیں۔''

حضورؐ کی تعلیم وتربیت کا یہ انداز موجودہ دور کے تربیتی اداروں نے بھی اپنا رکھا ہے اور اس انداز کی اہمیت و افادیت کو تسلیم کر کے یہ اعتراف کیا ہے کہ تعلیم اسی وقت صحیح نتائج پیدا کرتی ہے۔ جب طلباء کی نفسیات کا خیال رکھا جائے اور دیکھا جائے کہ کب اور کس وقت طلباء کے ذہن وقلب حاضر ہیں۔

۲۔ آنحضرتؐ کا طریقہ تھا کہ وہ دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں ہر شخص کی ذہنی سطح کا پورا پورا خیال رکھتے۔ کیونکہ ہر شخص کی ذہنی سطح دوسرے سے مختلف ہوا کرتی ہے۔ شہری لوگوں سے ان کے معیار کے مطابق گفتگو فرماتے۔ تو بدوی کے ساتھ اس کی ذہنیت کے مطابق۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت اس کی بہترین مثال ہے کہ ایک بدوی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ جو سیاہ رنگ کا ہے۔ چونکہ ہم میاں بیوی میں کوئی سیاہ رنگ نہیں اس لئے میں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ حضورؐ نے اس کی سمجھ اور پیشہ کو ملحوظ رکھ کر اسے جواب ارشاد فرمایا اور اسے سمجھایا۔

حضورؐ نے اس سے پوچھا'' کہ تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں''

بدوی نے جواب دیا۔ ''جی ہاں''

آپؐ نے پوچھا کہ ''کیا ان اونٹوں میں خاکستری رنگ کا یا کہ سیاہ رنگ کا بھی کوئی اونٹ ہے''

اس نے جواب دیا ''ہاں ہے''

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ''اب تم ہی بتاؤ کہ سرخ رنگ کے اونٹ میں یہ سیاہی کیسے آگھسی۔ بدوی نے جواب دیا ہوسکتا ہے کہ اس کے نسب میں کوئی اونٹ خاکستری یا سیاہ رنگ کا ہو اور اس کی جھلک ہو''

جب سوال و جواب کی صورت میں حضورؐ بدوی کو یہاں تک لے آئے تو آپؐ نے یہ فرما کر اس کا شبہ دور کر دیا کہ ''یہاں بھی ایسا ہوسکتا ہے کہ یہ نسب کی وجہ سے ہوا ہو اور اس میں تمہاری بیوی کا کوئی قصور نہ ہو'' (تجرید البخاری)

۳۔ حضورؐ جب بھی اپنے صحابہ کرامؓ کو کوئی دینی حکم سمجھاتے تو اس کو تین مرتبہ دہراتے تا کہ بات دل کی گہرائیوں تک اتر جائے اور کم ذہن والے لوگ بھی اس کو سمجھ جائیں۔

حضرت انس بن مالکؓ ارشاد فرماتے ہیں۔

''کہ آنحضرتؐ جب کچھ ارشاد فرماتے تو ہر ایک کلمہ کا تین تین مرتبہ اعادہ فرماتے تا کہ سننے والا اچھی طرح فہم وادراک کی گرفت میں لے آئے۔ (سنن ابی داؤد)

۴۔ حضورؐ احکام وعبادات میں آسانی کو ملحوظ رکھتے اور ان صحابہ کرامؓ جو معلمی میں دلچسپی رکھتے ان کو مختلف ہدایات کے ساتھ اہم بات یہ بھی ارشاد فرماتے کہ ''تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے۔ دشواری پیدا کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے'' (صحیح بخاری)

حضرت محمدؐ نے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے ایک خاص حکمت سے کام لیا۔ اور حضرت محمدؐ کے رہنما اصولوں کو سامنے لا کر بچوں کی تعلیم وتربیت کی جائے تو مفید نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ حضرت محمدؐ نے والدین پر اولاد کی اخلاقی، تربیت، دینی تعلیم اور نگہداشت کا فرض عائد کیا ہے اور بچوں کی تعمیر اور ان کی ذہنی صلاحیتوں کی نشوونما میں جو اہمیت اور مقام تعلیم وتربیت کو حاصل ہے کسی دوسری چیز کو حاصل نہیں۔

مسلمان والدین کی حیثیت سے ہمیں سب سے پہلے حضورؐ کے طریقہ تعلیم وتربیت سے رہنمائی اور روشنی حاصل کرنا ہوگی، حضورؐ نے بچوں کو جنت کا پھول کہہ کر پکارا اور بچوں سے ہمیشہ انتہائی شفقت فرمائی۔ ان سے پیار کیا اور جو بات بھی سمجھائی پیار ومحبت سے سمجھائی اور بچے کی پیدائش کے پہلے دن سے ہی تربیت کا خیال رکھنے کی تلقین کی۔ مثلاً بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی کان میں اذان اور تکبیر کا کہنا۔ پہلا لفظ اللہ کہلوانا۔ دینی تعلیم دلوانا وہ مثبت اقدامات ہیں جو کہ بچے کی زندگی کے ساتھ ہی شروع ہو جاتے ہیں۔

جناب شفیق الدین فاروقی

دار العلوم کے شب وروز

ایوان شریعت ہال میں طلباء کے لئے تقریب انعامات کا انعقاد: جامعہ دار العلوم حقانیہ کے وسطانی امتحانات میں نمایاں پوزیشن لینے والے طلباء کے اعلانات اور تقسیم انعامات کے سلسلے میں ایوان شریعت ہال دار الحدیث میں ایک پر وقار اور سادہ تقریب کا انعقاد ہوا۔ اس کی صدارت مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے فرمائی۔ اس موقع پر جامعہ حقانیہ کے نائب مہتمم حضرت مولانا انوار الحق صاحب نے نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والوں کے نتائج کی تفصیل اور دیگر نتائج کے طریق کار پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ آخر میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے طلباء کو امتحانات کی اہمیت اور امت مسلمہ کو درپیش چیلنجوں سے آگاہ فرمایا۔ اور خصوصاً اساتذہ کے ذیلی کمیٹی و دفتر تعلیمات کی شبانہ روز مساعی پر انہیں خراج تحسین پیش کیا۔

دار العلوم کے وسطانی امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طلباء کے اسمائے گرامی:

(شعبہ حفظ) اول: میرزا گل بن فدا گل' دوئم: امر اللہ بن امیر محمد۔ سوئم: شفیع اللہ بن سراج الدین۔ (درجہ اعدادیہ) اول: سمیع الحق بن شریف محمد۔ دوئم: عبد الصمد بن محمد عالم۔ سوئم: شیر علی بن میر ولی۔ (درجہ متوسطہ) اول: عبد النصیر بن محمود خان' دوئم: نور محمد بن سرفراز خان' سوئم: محمد رحمان بن جنت گل (درجہ اولیٰ) اول: بلال بن سید علی' دوئم: یوسف بن گل یوسف' سوئم: فیض الحسین بن حضرت بلال۔ (درجہ ثانیہ) اول: محمد طائف بن فرید شاہ۔ دوئم: عنوان اللہ بن ذر آمان اللہ۔ سوئم: محمد ابراہیم بن قاری سیف اللہ۔ (درجہ ثالثہ) اول: فضل رازق بن حاجی امیر زمان۔ دوئم: جمیل الرحمان بن بخت روان۔ سوئم: امان اللہ بن سیف الملوک۔ (درجہ رابعہ) اول: امتیاز علی بن خان ترین۔ دوئم: عتیق الرحمان بن شفیق الرحمان۔ سوئم: ضیاء الرحمان بن ممتاز خان۔ (درجہ خامسہ) اول: عابد مسرور بن مسرور گل۔ دوئم: محمد بلال بن امتیاز احمد۔ سوئم: نوشیر زمان بن رقیب خان۔ (درجہ سادسہ) اول: سجاد علی بن عبد الخالق۔ دوئم: انیس الرحمان بن بہرہ مند۔ سوئم: امین اللہ بن محمد جلیل۔ (درجہ تکمیل) اول: نور الوہاب بن سید رسول' دوئم: امان اللہ بن محمد عزیز۔ سوئم: ثناء اللہ بن عجب خان۔ سوئم: فضل مولیٰ بن گل حبیب۔ (درجہ موقوف) اول: حافظ محمود الحسن بن شیخ الحدیث مولانا مغفور اللہ صاحب۔ دوئم: محمد کامل بن محمد عاقل۔ سوئم: شبیر احمد بن وصال احمد۔ (درجہ دورہ حدیث) اول: عزیز اللہ بن عبد اللہ جان۔ دوئم: عزیز الرحمان بن تنیاری خان۔ دوئم: فیض السلام بن عبد السلام۔ سوئم: عبد الکریم بن جمال الدین۔ (درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی) اول: محمد ادریس بن ہدایت الرحمان۔ دوئم: ریاض اللہ خان بن رضا خان۔ سوئم: محمد عثمان بن فیروز خان۔ (شعبہ کمپیوٹر) اول: ظہور شاہ بن سبیل شاہ۔ دوئم: محمد عارف بن محمد صادق۔ سوئم: عتیق الرحمان بن شفیق الرحمان۔

"مدیر کے قلم سے

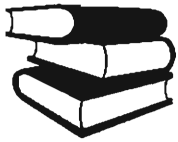

تعارف تبصرہ کتب

کتاب: حدائق الحنفیہ مصنف: مولانا فقیر محمد جہلمی ؒ مرتبہ مع حواشی وتکملہ: جناب خورشید احمد خان صاحب

ضخامت: ۵۴۰ صفحات قیمت: -/۱۸۰ روپے

ناشر: المیزان ناشران وتاجران کتب الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

فقہ اسلامی کی باقاعدہ تدوین کا کام سب سے پہلے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے شروع کیا تھا جسے ان کے نامور تلامذہ خصوصاً صاحبین امام ابویوسف اور امام محمد نے اپنی تصانیف کے ذریعہ پایہ تکمیل تک پہنچایا' ان کے بعد ان کے متبعین نے نہ صرف فروعات وجزئیات کی تشریح وتوضیح کی بلکہ اپنے اپنے دور میں پیش آنے والے نئے نئے مسائل کا فقہی حل تلاش کیئے ۔ یہ حقیقت ہے کہ فقہ کے سلسلے میں جتنا کام حنفی فقہاء نے کیا ہے کسی اور مسلک کے متبعین نہیں کر سکے۔ حدائق الحنفیہ آسمان علم کے انہی تابندہ ستاروں کی داستانِ حیات اور ان کے علمی وفقہی کارناموں کا تذکرہ ہے جن کی روشنی سے ہر دور میں دنیائے اسلام جگمگاتی رہی۔

مولانا فقیر محمد صاحبؒ نے اس کتاب میں حنفی علماء کا جامع تذکرہ اردو زبان میں پیش کیا ہے۔ جس میں امام اعظمؒ سے لے کر ۱۳۰۰ھ تک پوری دنیا کے چیدہ چیدہ حنفی علماء وفقہاء کے حالاتِ زندگی جمع کر دیئے ہیں۔ برصغیر کے مسلمانوں کی غالب اکثریت فقہ حنفی کی پیرو ہے مگر اس کے باوجود یہاں گزشتہ صدی کے دوران دنیا بھر کے حنفی علماء پر کوئی دوسری کتاب منظر عام پر نہیں آئی اور ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود بھی حدائق الحنفیہ اردو زبان میں اپنے موضوع پر پہلی اور آخری کتاب ہے۔

کتاب کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس موضوع سے متعلق کام کرنے والا کوئی بھی محقق اس سے بے نیاز نہیں رہ سکا۔ جہاں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام انگلش اور پروفیسر بروکلمان کی تاریخ ادب عربی (جرمن) مطبوعہ لیدن' خدابخش لائبریری پٹنہ کٹیلاگ (انگلش) میں جابجا اس کے حوالے ملتے ہیں۔ وہاں تذکرہ علماء ہند فارسی اور نزہۃ الخواطر عربی میں بھی اس سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

جناب خورشید احمد خان صاحب نے اس کی ترتیب اور تحشیہ پر عرقریزی سے کام کیا ہے اور ساتھ ساتھ تکملہ میں ۱۰۳ حنفی علماء کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ تاریخی دستاویز اور علمی وتحقیقی مرقع المیزان ناشرانِ کتب لاہور نے بہترین انداز اور نئے اسلوب وآب وتاب کے ساتھ شائع کر کے یقیناً داد وتحسین کے مستحق ہیں۔

کتاب: حفظ الاسرار بتعلیم سید الابرارؐ تالیف: مولانا عبدالباقی حقانی

ترجمہ: مفتی شاہ اورنگ زیب حقانی ضخامت۔ ۱۶۰ صفحات قیمت: ۶۰/- روپے

ناشر: المکتبہ الحقانیہ للعلوم الشرعیۃ السیاسیۃ پشاور

زیر نظر مختصر کتاب اسرار اور راز کی حفاظت اور اس کے کتمان کے متعلق انتہائی جامع اور نافع کتاب ہے اور ہر لحاظ سے اپنے موضوع پر محتوی جس میں قرآن و حدیث کے حوالہ جات کے علاوہ دیگر علماء و فضلاء ادباء و شعراء اور حکماء کے اقوال جمع کر دیئے گئے ہیں۔ فاضل مؤلف نے ہزار ہا صفحات کا نچوڑ اور مغز اس کتاب میں پیش کیا ہے۔ اور انتہائی عرق ریزی و جاں فشانی سے موضوع کے متعلق ایسا مواد فراہم کیا کہ اس پر مزید اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔

یہ کتاب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فاضل اور گوناگوں علمی صفات کے حامل مولانا عبدالباقی حقانی نے پشتو زبان میں لکھی تھی اور ایک خاص پس منظر کے حوالے سے آپ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ اپنی افادیت اور موضوع کی اہمیت کی وجہ سے اس کو علمی حلقوں میں کافی پذیرائی حاصل ہوئی۔ اور بہت ہی کم مدت اور انتہائی قلیل عرصہ میں اس کے کئی ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ لئے گئے۔ اسی افادیت اور اہمیت کو دیکھ کر یہ تقاضا شدت اختیار کر گیا کہ اس کو اردو زبان کا لباس پہنایا جائے تا کہ اس سے مستفیدین اور مستفیضین کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہو جائے۔ چنانچہ ہمارے محترم فاضل مولانا شاہ اورنگزیب حقانی نے اس کو اردو میں منتقل کیا جو کہ بہت بڑی علمی خدمت ہے کتاب پر ہمارے اکابرین اور بزرگ اساتذہ کی تقاریظ مؤلف اور مترجم دونوں کیلئے سند داد و تحسین ہیں اور اس کتاب کی عنداللہ مقبول ہونے کی واضح دلیل شیخ التفسیر الحدیث مولانا الدکتور سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ اپنی وقیع تقریظ (عربی) میں فرماتے ہیں:......

وجمع المسائل النفیسۃ ونظم الدرر الفریدۃ فی سلک التصنیف جهوداً مشكورةً ماجورة واقتطف ثمرات البحوث القيمة من المصادر الموثوقة. والمراجع المعتده ورتبها ترتيباً انيقاً بملكته القوية الراسخة الخ۔

کتاب کے آخر میں اجتماعی خدمت کرنے والوں کے لئے چالیس احادیث کا انتخاب کیا ہے، حضور ﷺ کی اس حدیث مبارکہ کو مدنظر رکھتے ہوئے۔

من حفظ علی امتی اربعین حدیثا فی امر دینها بعثه الله تعالیٰ فقیها وكنت له يوم القيامة شافعاً وشهيداً۔

بلاشبہ مؤلف نے موضوع کا حق ادا کیا ہے اللہ تعالیٰ اس کتاب کو تمام مسلمانوں کے لئے نافع بنادے۔

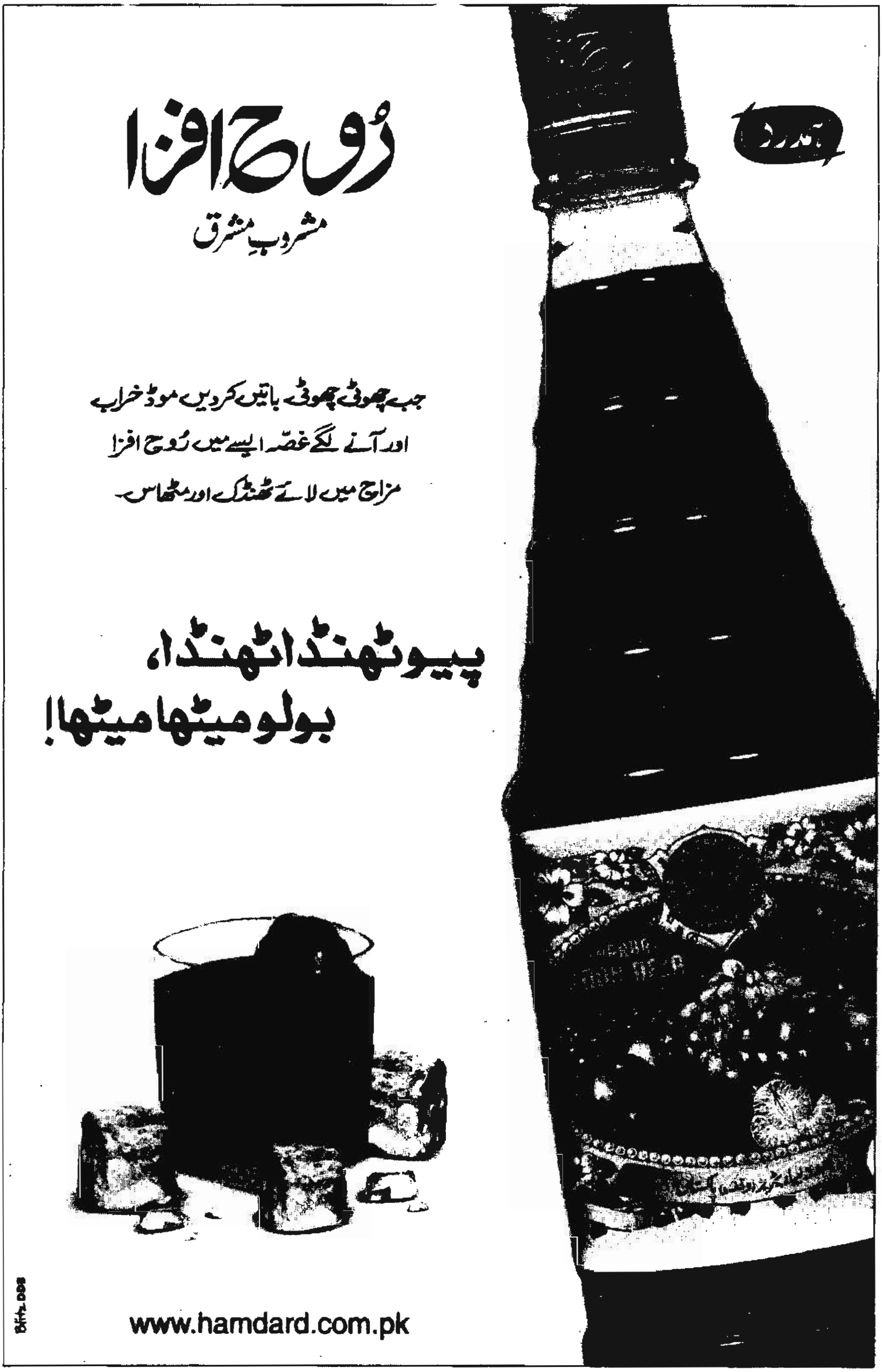

روح افزا
مشروبِ مشرق
ہمدرد
جب چھوٹی چھوٹی باتیں کردیں موڈ خراب
اور آنے لگے غصہ ایسے میں روح افزا
مزاج میں لائے ٹھنڈک اور مٹھاس۔
پیو ٹھنڈا ٹھنڈا،
بولو میٹھا میٹھا!
www.hamdard.com.pk

معاونین جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے ایک ضروری

اپیل

محترم! دارالعلوم حقانیہ کی علمی، ملی و دینی ہمہ گیر خدمات سے بحمد للہ آپ بخوبی واقف ہیں اور موجودہ پُرفتن دور میں ایسے مرکز علوم رسالت کی اہمیت وضرورت بھی آپ پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد اور جہاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی ذمہ داری ملک و بیرون ملک فضلائے حقانیہ نے نہ سنبھالی ہو۔ صرف ایک جہاد افغانستان کو لیجئے تو دارالعلوم کے ہزاروں فضلاء اور طلباً نے اس صدی کے عظیم جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا جو تمام معاونین کے لئے تاقیامت صدقہ جاریہ بن رہا ہے۔

جامعہ حقانیہ اپنے تمام ترقی پذیر شعبوں میں خطیر مصارف (جوکہ تعمیراتی اخراجات کے علاوہ سالانہ واجبی مصارف سوا کروڑ سے متجاوز ہیں) کا محتاج ہے جبکہ دارالعلوم حکومتوں کے تعاون سے بھی بالکل بے نیاز ہے اور نہ ہی اس کے باضابطہ مستقل سفراء ہیں، صرف اور صرف آپ جیسے حساس دردمند اہل خیر معاونین کے مالی تعاون سے یہ سارا کارخانہ علوم نبوت چل رہا ہے۔ جس میں ڈھائی ہزار تک طلباً علوم نبویہ سے ہر سال مستفید ہوتے ہیں۔ ایسے نازک وقت میں آپکی توجہات کی مزید شدت سے ہمیں ضرورت ہے کہ خود اور اپنے زیر اثر حلقہ احباب واہل خیر میں بھی دارالعلوم کے مالی تعاون کے لئے سعی فرمائیں اور اللہ کے دین کے فروغ اور حق کی بالادستی کے لئے کوشاں اس ادارہ کی پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہر ممکن تعاون اور سرپرستی سے ممنون فرمائیں۔ **واجرکم علی اللہ**۔

ترسیل زر کا پتہ

(مولانا) سمیع الحق

مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

اکاؤنٹ نمبرز: یوبی ایل اکوڑہ خٹک 7-01 نیشنل بینک اکوڑہ خٹک 5-17

مسلم کمرشل بینک جہانگیرہ 6-1120

Email: haqqania@nsr.pol.com.pk OR editor_alhaq@yahoo.com

Regd No. P-90 Monthly "Al-Haq" Akora Khattak

مطبوعات مؤتمر المصنفین

نمبر شمار	نام کتاب	تصنیف	افادات	صفحات
۱	حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذیؒ	حضرت مولانا سمیع الحق	شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ	۵۳۶
۲۔	دعوات حق ۔ (مکمل دو جلد)	" " "	" " " " "	۱۱۹۲
۳۔	قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ	" " "	" " " " "	۴۰۰
۴۔	عبادات وعبدیت	" " "	" " " " "	۸۸
۵۔	مسئلہ خلافت وشہادت	" " "	" " " " "	۱۰۴
۶۔	صحبتے با اہل حق (مجلد)	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۴۰۸
۷۔	اسلام اور عصر حاضر (مجلد)	حضرت مولانا سمیع الحق	حضرت مولانا سمیع الحق	۴۶۰
۸۔	قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	" " "	" " " " "	۹۶
۹۔	کاروان آخرت (مجلد)	" " "	" " " " "	۴۴۶
۱۰	شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ خصوصی نمبر	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۱۲۰۰
۱۱۔	قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف	حضرت مولانا سمیع الحق	" " " " "	۲۰۸
۱۲	قادیان سے اسرائیل تک	" " "	" " " " "	۲۲۴
۱۳۔	قومی اور ملی مسائل پر جمعیت کا موقف	" " "	" " " " "	–
۱۴۔	میری علمی اور مطالعاتی زندگی (مجلد)	" " "	" " " " "	۵۶۰
۱۵۔	روسی الحاد	" " "	" " " " "	۲۲۰
۱۶۔	فتاوی حقانیہ	مولانا مفتی مختار اللہ	حضرت شیخ الحدیث ومفتیان حقانیہ	۳۶۰۰
۱۷۔	خطبات حق	" " "	حضرت مولانا سمیع الحق	۴۵۰
۱۸	نظام اکل وشرب	" " "	" " " " "	۴۵۰
۱۹۔	صلیبی دہشت گردی اور عالم اسلام	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۵۰۰
۲۰۔	شرح شمائل ترمذی		" " " " "	زیر طبع
۲۱	مروجہ کرنسی کیلئے معیار نصاب سونا یا چاندی	مولانا مفتی مختار اللہ	مولانا مفتی مختار اللہ	زیر طبع
۲۲	انوار حق (جلد اول)	حافظ سلمان الحق حقانی	حضرت مولانا انوار الحق حقانی	۲۶۰

مؤتمر المصنفین ۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک